لہ دعوۃ الحق

قرآن و سنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۴
شمارہ نمبر : ۱۱

جمادی الاول ۱۳۸۹ھ
اگست ۱۹۶۹ء

مدیر
سمیع الحق

اس شمارے میں

نقشِ آغاز (مجوزہ تعلیمی پالیسی اور مدارسِ عربیہ)	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ	۲
چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ	۹
شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	مولانا قاضی عبدالکریم صاحب - کلاچی	۲۰
نئی تعلیمی پالیسی اور چند مشورے	مولانا محمد اشرف خاں ایم - اے	۲۵
تسخیرِ کائنات (خدا کے وجود کی شہادت)	ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب پی ایچ ڈی	۲۹
اسلام میں معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل	مولانا سید عبدالشہید ترمذی	۳۳
تحریکِ ریشمی رومال اور ایک شرمناک جھوٹ	مولانا سید محمد اسعد مدنی - دیوبند	۴۱
مدنی شیخؒ کی مجلس میں	سمیع الحق	۴۳
حاجی امداد اللہؒ علوم و معارف	بروایت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۴۸
شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ	مولانا سعید الرحمان العلوی	۵۵
قصیدۂ ترحیب	مولانا غلام نبی ٹل	۶۲
تردیدِ الحاد	خواجہ محمد علیم ڈھاکہ	۶۴

بدل اشتراک

مغربی پاکستان سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۶۰ پیسے
مشرقی پاکستان سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے
غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز ـــــــــ مجوزہ تعلیمی پالیسی اور مدارس عربیہ

نئی تعلیمی پالیسی میں قدیم عربی نظام تعلیم سے متعلقہ حصہ کے بارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے جو مشورے وزارت تعلیم کو بھیجے ہیں انہیں یہاں شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

جنرل آغا محمد یحییٰ خان صاحب صدر مملکت خداداد پاکستان اور ان کے معزز رفقاء نے مملکت کی فلاح کیلئے کئی اصلاحی قدم اٹھائے ہیں اور بہت سے امور کی اصلاح کی طرف توجہ دی جارہی ہے چنانچہ تعلیم کی اصلاح اور بہبود کی خاطر نئی تعلیمی پالیسی کا اعلان بھی حکومت کے اسی نیک جذبہ کا مظہر ہے اس پالیسی میں مروجہ دو قدیم اور جدید تعلیمی نظاموں میں تبدیلی کی ضرورت پہ زور دیتے ہوئے انکشاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ جدید تعلیم کا مقصد سرکاری ملازمت کیلئے نوجوان طبقہ تیار کرنا تھا اور اس تعلیم میں کوئی ایسی خوبی نہ تھی جو نوجوانوں کو ایک آزاد ترقی پذیر قوم کی سیاسی، سماجی، یا اقتصادی ضروریات سے آگاہی بخشے، بالفاظ دیگر جدید تعلیم کا مقصد لارڈ میکالے کی پالیسی کو پورا کرنا تھا جو حکومت چلانے کیلئے صرف مشینی پرزوں کی طرح کام دے سکیں۔ ان کا قالب تو پاکستانی یا ہندوستانی ہو مگر دل و دماغ مغربی ہو۔ قوم کی حقیقی فلاح و بہبود، ملک اور دین کی بھلائی اخلاق اور سماج کی تطہیر اور معاشرہ کی تربیت سے اس تعلیم کو کوئی غرض نہیں تھی۔ دوسری طرف قدیم تعلیم ہے جو عربی مدارس اور دارالعلوموں میں درس نظامی کی شکل میں رائج ہے جس کے بارہ میں رپورٹ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس نظام نے اپنے وقت میں ریاستی ضروریات سے آگاہی بھی بخشی اور اس نظام نے بڑے بڑے مفکر، عالم، دانشور اور منتظم بھی پیدا کئے۔ اس نظام میں بذریعہ حفظ و تکرار علوم دینیہ بزبان عربی اس لئے پڑھائے جاتے ہیں کہ خارجی اثرات سے اسلامی ثقافتی اقتدار کا تحفظ ہو سکے ـــ گویا رپورٹ میں پہلی بار اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ عربی قدیم نظام تعلیم نے اب تک اسلامی اقدار

و شعائر اور اسلامی تہذیب کو باقی رکھا ہے یعنی دین کا تحفظ کیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ دو سو برس کی غلامی اور بدترین استبداد کے باوجود اگر آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے تو اس کا سہرا ان قدیم علوم پڑھانے والوں کے سر پر ہے اگر دینی مدارس اپنی موجودہ آزاد شکل میں نہ ہوتے تو آج یہ برّصغیر بھی بخارا اور تاشقند یا اندلس کا نمونہ پیش کرتا مگر بحمداللہ تقریباً سو فیصد مسلمانوں کا عقائد صحیحہ پر جمے رہنا اور نصف سے زیادہ مسلمانوں کا عملاً اسلامی تہذیب اور اعمال پر قائم رہنا یہ ان مدارس عربیہ کی خدمات جلیلہ کے بار آور ہونے کی واضح دلیل ہے۔ مدتوں اس پروپیگنڈے کے بعد کہ "دینی مدارس کا وجود بالکل لغو اور بے کار ہے" موجودہ نئی رپورٹ میں ان مدارس کا اسلامی اقدار کے تحفظ کے سلسلہ میں اعتراف کرنا موجودہ حکومت کی نیک نیتی خلوص اور حق پسندی کی دلیل ہے۔ اس رپورٹ سے کم از کم یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے نہ تو دین کی خدمت کی اور نہ مملکت کی فلاح اور ترقی کیلئے کوئی خاطر خواہ رہنمائی کی اور اس عرصہ میں مدارس عربیہ نے اگرچہ دنیاوی علوم اور دنیاوی مفاد سے سروکار نہ رکھا مگر دین اسلام کے تحفظ کا کام تو ان مدارس نے انجام دے ہی دیا۔ اگرچہ ہمارے خیال میں دنیوی علوم اور ترقی سے بے اعتنائی کا الزام بھی ان مدارس پر صحیح نہیں، مگر تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ بات مان لی جائے تب بھی یہ الزام درست نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارا نظریہ ہے کہ تمدن اور اخلاق و معاشرت کی اصلاح اور تطہیر ہی دنیوی ترقی کا سبب ہے۔ آج بھی جن لوگوں میں مذہب کی حرمت باقی ہے ان میں بے دین اور لامذہب لوگوں کی بہ نسبت برائیاں بہت کم ہیں۔ تو جس قوم میں دین ہوگا اس کو حقیقی دنیوی ترقی بھی میسر ہوگی وہ ملک و ملت اور قوم و حکومت کا خیر خواہ اور اپنے فرائض کی بجا آوری کرنے والا ہوگا اس لحاظ سے ایک نظریاتی مملکت جسکی اساس اسلام ہو جسکی بقا مذہب اور مذہبی اقدار پر موقوف ہو اگر کوئی تعلیمی نظام اس بنیادی اور نازک ترین مقصد (مذہب کے تحفظ، فروغ اور اشاعت) کو پورا کر رہا ہو تو جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اس بلند مقصد کو پورا کرنے والے قدیم نظام تعلیم کے بارہ میں بھی یہ کہنا کہ یہ ہماری قومی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا ایک گونہ لاعلمی اور زیادتی ہے۔

تاہم رپورٹ کے مطابق اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ نظام بھی ہماری موجودہ ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا اور صرف دین کی خدمت اور دینی اقدار کا تحفظ ہی اس کا مقصد رہا اور برّصغیر کی دو سو سالہ تاریخ اسکی شہادت دے رہی ہے کہ یہ نظام اس مقصد میں کامیاب رہا تو اسکی وجہ بھی ہمارے خیال میں صرف ایک ہے کہ دینی مدارس ہمیشہ حکومت کے کنٹرول اور ہر خارجی دباؤ سے آزاد رہے، حالات کی ناسازی، مشکلات اور مصائب کی پروا کئے بغیر یہ مدارس دین کے تحفظ اور صحیح خدمت میں مشغول رہے اور

جدید نظام تعلیم حکومتوں کی نگرانی اور امداد سے پھلا پھولا اور بیرونی یا داخلی حکومتوں کی پالیسیاں اس پر اثرانداز ہوتی رہیں۔ اگر یہ عربی مدارس بھی حکومتوں کی گرانٹ امداد ان کے کنٹرول میں رہتے تو آج یہ مدارس بھی شخصی اغراض اور حکومتوں کی پالیسیوں کی وجہ سے دین کو اس قدر بدل چکے ہوتے کہ اصلی دین کا نام و نشان بھی اس برصغیر میں باقی نہ رہتا اور ان مدارس میں دین کی تعبیر و تشریح کا کام حکومتوں کے جائز و ناجائز مقاصد اور پالیسیوں کی روشنی میں کیا جاتا اور دین میں سراسر تحریف ہو جاتی جس کی کئی مثالیں اور افسوسناک نتائج عالم اسلام میں مل سکتے ہیں۔ بحمداللہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوا اور ان دینی مدارس کو چلانے والوں اور پڑھنے پڑھانے والوں نے خالص خوشنودیٔ خداوندی اور فریضۂ مذہبی جان کر اب تک یہ خدمت انجام دی۔ قوم نے خدمت کی تب بھی، نہ کی تب بھی ان مدارس عربیہ اور ان سے نکلنے والے علماء حق نے تحفظ دین میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ سلسلہ آج تک تو کلاًعلی اللہ جاری ہے اور مسلمان قوم کی رضاکارانہ تعاون اور امداد سے یہ عظیم کام چل رہا ہے۔ بحمداللہ دین محفوظ ہے اور باوجود کوششوں کے دین میں تغیر و تحریف نہیں کیا جا سکا۔ اب حکومت نے اصلاحی جذبہ کے تحت دونوں نظاموں میں دور رس تبدیلیوں کا ارادہ کیا ہے تو اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ دنیوی ترقیات اور قومی ضروریات کے لئے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کافی کام ہو رہا ہے۔ اور اہم ترین ضرورت ہے کہ ان اداروں میں اسلامی تعلیمات اور اسلامی اقدار کی اشاعت کیلئے مؤثر قدم اٹھایا جائے اس نظام تعلیم کا مقصد صرف لارڈ میکالے کے نظریہ کی تکمیل نہ ہو بلکہ ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی مملکت کیلئے نہ صرف دنیا بلکہ دینی لحاظ سے بھی نہایت کامل اور صالح افراد مہیا ہو سکیں۔

رہا عربی مدارس کا نصاب تو اس میں اگر مروجہ لازمی علوم و فنون جن کی ضرورت ہے اگر شامل کر دئیے جائیں تو اس سے کسی کو انکار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ دنیوی علوم و فنون سے کسی دور میں یہ مدارس عربیہ خالی نہیں رہے یہ فنون اب بھی مدارس عربیہ میں شامل ہیں مثلاً علم حساب میں خلاصۃ الحساب ریاضی میں تصریح و شرح چغمینی اقلیدس اور فلسفہ قدیم میں صدرا شمس بازغہ وغیرہ اور منطق میں کئی کتابیں زیر درس رہتی ہیں ـــ اب اگر حکومت بعض عصری ترقی یافتہ علوم اور اضافہ شدہ تحقیقات کو سائنس جغرافیہ وغیرہ کی شکل میں اضافہ کی خواہش رکھتی ہے جن کا خود مدارس عربیہ کو احساس ہے۔ تو اسے نگاہِ تحسین سے دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ چند باتوں کو ملحوظ رکھا جائے۔

الف: عربی مدارس کے نصاب میں اولیت اور اہمیت بہرحال علوم دینیہ قرآن و حدیث

تفسیر و اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ اور علومِ عربیہ ادب، معانی، نحو، صرف، وغیرہ کو رہے۔ ان علوم میں حکومت کو دخل دینے یا ترمیم کرنے کا کوئی حق نہ ہو۔

ب: نئے علوم کے اضافہ اور نصاب میں کمی بیشی کی نگرانی کا کام مدارسِ عربیہ کی اپنی ایک با اختیار تنظیم اور کسی فعال بورڈ کے ہاتھ میں رہے جس میں شامل علماء مدارس عربیہ کے تمام مسائل کی اہمیت اور مسلک و مشرب سے آگاہ ہوں مستند ہوں اور حکومت کے اثر سے آزاد ہوں جن کے تقویٰ و دیانت اور علمی مہارت پر اعتماد ہو اور کم از کم دس سالہ تجربہ مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے کا انہیں حاصل ہو اس بورڈ میں ملک کے مستند اور ممتاز مدارسِ عربیہ کے مہتممین یا صدر مدرسین کی کم از کم دو تہائی اکثریت ہونی چاہئے پھر اس بورڈ کے ارکان پر عامۃ المسلمین اور اہل علم کا اعتماد بھی ہو۔ اگر اس بورڈ کا تقرر حکومت کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو خطرہ ہے کہ اس میں سابقہ ثقافتی یا سرکاری تحقیقاتی اداروں جیسے نام نہاد "علامہ اور محقق" قسم کے لوگ شامل کر دئے جائیں۔ جو اس نظامِ تعلیم کا سارا نقشہ ہی بدل دیں گے۔

ج: اس با اختیار تنظیم کی ایک مثال ہمارے سامنے مدارس عربیہ کی ایک تنظیم وفاق المدارس کی شکل میں موجود ہے جس کا مرکز ملتان میں ہے، دو ڈھائی سو مدارس اس سے منسلک ہیں اور درس نظامی کی انتہائی کلاس دورۂ حدیث شریف کے امتحانات دس سال سے اس تنظیم کی نگرانی میں یونیورسٹی کی طرز پر ہو رہے ہیں۔ یہ تنظیم مدارسِ ملحقہ کی نگرانی بھی کرتی ہے اور نصاب میں کمی بیشی بھی عرصہ سے اس کے ہاں زیر غور ہے۔ وفاق المدارس کو زیادہ فعال، منظم اور با اختیار بنا دینے کی صورت میں ملک کے بعض دیگر ممتاز مدارس بھی اس سے الحاق کر سکتے ہیں۔ اور بلا کسی دخل اندازی کے حکومت کی نصاب کے سلسلہ میں ماہر اساتذہ اور کتابوں کی فراہمی اور سندات کی منظوری وغیرہ مراعات دینے سے اسکی افادیت اور بھی بڑھ سکتی ہے۔ حکومت اگر وفاق المدارس یا اس کے متبادل دوسری کسی خود مختار تنظیم کے نامزد کردہ بورڈ ہی کو منظور کر لے اور اس میں غیر ملحقہ مدارس یا جدید علوم کے ماہرین کو بھی نمائندگی دیدی جائے اور اسے با اختیار اور آزاد چھوڑ دے تو حکومت ایک تو بھاری اخراجات سے بچ جائے گی، دوسرے مدارس بھی نظام تعلیم کا معیار باقی رکھنے کے سلسلے میں کئی پریشانیوں اور بے اطمینانیوں سے محفوظ رہیں گے۔

د: مدارسِ عربیہ کے امتحانات اور تعلیمات کی نگرانی، نصاب میں مشورہ اور رہنمائی کا کام اس بورڈ کے ہاتھ میں ہو اور دیگر تمام داخلی انتظامی امور اساتذہ کا نصب و عزل وغیرہ کا

اختیار مقامی مجلس منتظمہ اور مہتمم کی مرضی پر رہے۔

۴ : مالیات کے سلسلہ میں بھی مدرسہ کلا خود مختار رہے اور اس کے آمد و خرچ کا کام مجلس منتظمہ ہی پر چھوڑ دے بالفاظ دیگر حکومت مدارس عربیہ کے اخراجات کا بوجھ بیت المال پر نہ ڈالے، اگر یکمشت اور غیر مشروط کسی وقت بطور عطیہ کچھ دے تو حرج نہیں، البتہ گرانٹ کے نام پر حکومت دینی عربی مدارس کی امداد نہ کرے تاکہ ان مدارس کے ساتھ قوم کا تعاون اور اعتماد برقرار رہے اور مالی طور پر حکومت کا دست نگر بننے کی وجہ سے ان علوم کی آزاد اسلامی روح بھی مجروح نہ ہونے پائے۔ دو سو سال سے قوم جس خلوص سے ان مدارس کے خطیر اخراجات برداشت کرتی چلی آتی ہے یہ چیز صرف اس صورت میں آئندہ بھی قائم رہ سکتی ہے کہ حکومت کا مالی تعاون نہ ہو۔ اگر قوم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان دینی مدارس کو حکومت باقاعدہ مشروط امداد دے رہی ہے تو وہ کنارہ کش ہو جائے گی اور سارا بوجھ سرکاری خزانہ پر پڑ جائے گا جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہونے کی وجہ سے اس نظام کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا موجب بنے گا، اور بنیادی بات وہی ہے کہ دین حکومت کی آئے دن کی پالیسیوں کے نیچے پس جائے گا، اور نادانستہ حکومت کا یہ اصلاحی قدم دین کے ختم کرنے اور اس ملک کی نظریاتی اساس کو برباد کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

۵ : مدارس عربیہ کو مالیات کے لحاظ سے آزاد چھوڑ دینے کی صورت میں یہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگ دینی علوم اور مدارس عربیہ کے نام پر بددیانتی کرنے لگیں گے۔ تو اس کے تدارک کے لئے حکومت یا منتخب بورڈ ہر مدرسہ کے مالیات آمد و خرچ اور حسابات کی جانچ پڑتال کر سکتی ہے کہ واقعی فلاں مدرسہ موجود ہے یا نہیں ۔۔۔؟ اور تعلیمی سلسلہ اس میں باقاعدہ جاری ہے یا نہیں اور اس کا حساب کتاب درست ہے یا غلط ۔۔۔؟

رہا یہ سوال کہ حکومت کی مالی سرپرستی نہ کرنے اور مالی امداد نہ دینے کی صورت میں علماء اور طلباء کا دنیوی معیار اونچا نہیں ہو سکتا اور معیار زندگی کمزور رہے گا، تو گذارش ہے کہ علماء حق اور دینی مدارس والے یہ خدمت دو سو سال سے فقر و فاقہ برداشت کر کے بقدر کفاف قوت لایموت کی زندگی گذار کر انجام دیتے آئے ہیں یہ جماعت علوم انبیاء کی وارث ہے جن کا اعلان تھا کہ لا اسئلکم علیہ اجرا۔ علماء کے سامنے اصل مسئلہ اپنے لئے معاشی خوشحالی اور پیٹ کا مسئلہ نہیں بلکہ دین کی بقاء اور تحفظ کا ہے۔ اگر حکومت کی کسی نئی پالیسی سے یہ مقصد مجروح ہوتا ہے اور کسی اقدام سے علماء ربانی کا گروہ مطمئن نہیں ہوتا تو وہ ایسے مدارس کو چھوڑ کر اسلاف کی طرح جنگلوں اور درختوں کے سایہ میں

بیٹھ کر وراثت نبوت علوم نبویہ کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ انہوں نے بوسیدہ چٹائیوں پر بیٹھ کر برطانیہ اور انگریز کے علی الرغم دین کی خدمت کی تو اب تو بحمد اللہ اپنی حکومت ہے اور علماء ملک کی بقاء کی خاطر اور بھی بڑھ چڑھ کر دین کی حفاظت کریں گے۔ یہ ہمیں یقین ہے کہ موجودہ حکومت دین کی بقاء چاہتی ہے نہ کہ اس کا ضعف اور اس میں تحریف مگر سابقہ تجربات تبلاتے ہیں کہ جب بھی خود غرض اور مطلق العنان قسم کے لوگ اقتدار پر قابض ہوئے تو وہ دین میں دخل اندازی کرنے لگے اور اسے اپنی خواہشات کا خادم اور حاشیہ بردار بنانے لگے جس کا ثمرہ یہی ہوتا ہے کہ دین ایسے ملک سے کسی دوسری جگہ اپنا ڈیرہ ڈال دیتا ہے۔ اور خود یہ قوم نہ دنیا کی رہتی ہے نہ دین کی۔۔۔ بلکہ خسر الدنیا والآخرۃ ۔ کا مصداق بن جاتی ہے۔ اس وقت علماء حق اسلام کی خاطر سوشلزم، اشتراکیت، مغربیت اور دیگر لادینی فتنوں کے مقابلہ میں بلا کسی خوف اور لالچ کے سینہ سپر ہیں۔

تو ہمیں یقین ہے کہ دین کی ترویج اور فروغ کی خاطر بغیر طمع و لالچ اور محض خداوند کریم کی خوشنودی حاصل کرنے سے علماء حق قدیم دینی نظامِ تعلیم کو محفوظ رکھیں گے اور بوسیدہ چٹائیوں اور باسی ٹکڑوں پر گذر اوقات کر کے علوم دینیہ کی درس و تدریس کو جاری رکھیں گے۔ اس وقت ممکن ہے کہ کچھ لالچی قسم کے لوگ مدارس عربیہ پر حکومت کے کنٹرول اور تسلّط کی تائید کریں مگر یہ لوگ نہ تو حکومت کے خیر خواہ ہوں گے نہ دین کے۔ اور نہ اس ملک کے بلکہ انہیں محض اپنے وقتی مفادات عزیز ہوں گے۔ اہل حق کا گروہ ہر حال میں بلا کسی لومۃ لائم کے فریضۂ مذہبی ادا کرنے میں سعی بلیغ کرتا رہے گا۔ اور انا نحن نزّلنا الذکر وانا لہ لحافظون ۔ کے وعدہ کے مطابق خداوند کریم کی نصرت غیبی ان کے شاملِ حال رہے گی۔۔۔۔

دو ایک مزید گذارشات پیش ہیں :

الف : اسلامی مدارس کو جدید نظامِ تعلیم میں مدغم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ جدید نظامِ تعلیم کو درست کیا جائے جس پر حکومت کا کروڑوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اس تبدیلی کے نتائج اگر پاکستان اور دین کے حق میں ظاہر ہوئے تو اسکی افادیت کے بعد مذہبی مدارس خود بخود اپنے نظام میں تبدیلی کا تقاضا کرنے لگیں گے۔ مگر اب تک جدید نظامِ تعلیم جو نہ دین کیلئے فٹ ہے اور نہ دنیا کے لئے اس میں اہم انقلاب لائے بغیر دینی مدارس کو اس سے منسلک کرنے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ دین کے تحفظ کا جو کام ہو رہا ہے وہ بھی درہم برہم ہو جائے گا۔

ب : مشنری اداروں کو بند کر دینے کی تجویز بھی نہایت قابلِ تحسین ہے اس سے لادینی

اور مغربی فتنوں کا دروازہ بند ہو جائے گا، البتہ پاکستان اقلیتوں اور عیسائیوں کے سکولوں کے آزاد چھوڑ دینے میں یہ خطرہ ہے کہ جو خطرات غیر ملکی مشنری اداروں سے بلاواسطہ درپیش تھے۔ اب وہ ان ملکی اداروں کے ذریعہ بالواسطہ اپنے مقاصد کی تکمیل کراتے رہیں گے۔ لہٰذا ایک تو ایسا اداروں میں کسی مسلمان بچے کو داخلہ کی اجازت نہ ہو دوسرے ملک کی سلامتی کی خاطر اور ان کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ رہنے کے لئے ان اداروں کی کڑی نگرانی رکھی جائے۔

ج: رپورٹ میں اسلامیات کو میٹرک تک لازمی اور پوسٹ گریجویٹ کے درجہ تک اختیاری قرار دیا گیا ہے، مگر اسلامیات کو آخری درجوں تک لازمی قرار دینا چاہئے اور اس میں ناکام ہونے کی صورت میں آخری ڈگری بھی روک دینی چاہئے اس کے بغیر محض ادھوری اور سرسری دینی معلومات کا نتیجہ خاطر خواہ نہ ہوگا بلکہ نیم عالم خطرۂ ایمان کا منظر ہوگا اور آگے چل کر دین کے بارہ میں ایسے اذہان ارتیاب اور تذبذب کا شکار ہوں گے۔

د: ایک اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اسلامیات پڑھانے والے اساتذہ اسلامی علوم کے ماہر ہونے کے علاوہ اسلامی اخلاق و کردار کا عملی نمونہ ہوں اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر گامزن ہوں۔ اسطرح استاد کی زندگی اور تربیت کا اثر شاگردوں پر پڑے گا، ورنہ نرے محقق قسم کے اساتذہ کا کوئی خوشگوار اثر نہیں پڑ سکتا۔ اسلامیات پڑھانے والے اساتذہ میں یہ چیز ضرور ملحوظ ہے، کہ کم از کم ظاہری طور پر تو وہ متشرع اور احکام شریعت کی پابندی کرنے والے ہوں۔

آخر میں ہم تعلیمی پالیسی پیش کرنے والے محترم جناب ائیر مارشل نور خان (جن کے اخلاص تدین اور عالی ہمتی کی بڑی شہرت ہے) سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ سو برس کے دور غلامی کی خرابی کی جڑیں بہت دور تک پہنچ چکی ہیں۔ کسی بھی انقلابی قدم اٹھانے سے پہلے مسئلہ کے تمام گوشوں کو دیکھ کر نہایت حکیمانہ مدبرانہ اور غیر عاجلانہ قدم اٹھانا چاہیئے۔ جدید تعلیمی نظام میں تبدیلی کیساتھ ساتھ ان لاکھوں افراد کے دینی و اسلامی تربیت پر بھی توجہ دینی چاہئے جن کا ذہن و دماغ جدید تعلیم کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، اس نظام کی افادیت ان کے دل میں راسخ ہو چکی ہے یہی لوگ اس نئے تعلیمی نظام کو چلانے والے ہوں گے۔ تو جب تک اس محکمہ سے وابستہ لاکھوں افراد دل و جان سے اسلامیات کی فوقیت اور عظمت کے قائل نہ ہونگے وہ اسے نئی نسل کے قلوب میں پوری شرح صدر کے ساتھ کب اتار سکیں گے۔ اسی طرح جب قدیم علوم پڑھانے والوں کو اس نظام کی افادیت کا علم ہوگا تو وہ جدید علوم و فنون کو بھی بخوشی قبول کر لیں گے۔ ہم انقلابی حکومت کے شکرگزار ہیں کہ اس نے ملک و ملت کی اصلاح کی خاطر اصلاحی اقدامات کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دین و ملک اور مسلمانوں کی کامیابی و سرخروئی کیلئے کام کرنے کی انہیں صحیح توفیق عطا فرما دے۔

عبدالحق عفی عنہ
۲۷ر جولائی ۱۹۶۹ء
مہتمم دارالعلوم حقانیہ

ضبط و ترتیب : ادارۂ الحق

چاند تک انسان کی رسائی اور اسلام

خلائی پرواز کا اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا

خطبہ جمعۃ المبارک ۹ر جمادی الاول ۶۹ ۱۹ء

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. قال اللّٰہ تعالیٰ - ولقد کرّمنا بنی آدم وحملناھم فی البرّ والبحر وفضّلناھم علیٰ کثیر ممّن خلقنا تفضیلا۔

کائنات پر انسان کی فضیلت محترم بزرگو ! خداوند کریم نے انسان کو کائنات پر صوری و معنوی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جسم میں انسان بہت چھوٹا ہے مگر صوری و ظاہری محاسن میں سارے عالم پر فائق ہے اور عقل و ادراک علم اور دوسری معنوی خوبیوں میں بھی ساری مخلوقات پر اسے سبقت حاصل ہے گویا کہ یہ پوری کائنات اس مختصر سے جسم میں سمٹ گئی ہے اور عالم اکبر اس عالم اصغر میں پنہاں ہے۔ اس لئے بعض نے کہا کہ پوری "آفاقی" آیات اس چھوٹے سے "نفس" میں موجود ہیں۔ خداوند کریم کا ارشاد ہے کہ ولقد کرّمنا بنی آدم وحملناھم فی البرّ والبحر وفضّلناھم علیٰ کثیر ممّن خلقنا تفضیلا۔ (ہم نے بنی آدم کو کرامت سے نوازا ہے اور اسے بر و بحر میں اٹھایا اور اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے)

اس فضیلت کی وجہ بارِ امانت کو اٹھانا ہے۔ اس فضیلت کو دوسری آیت میں اسطرح واضح فرمایا گیا : انّا عرضنا الامانۃ علی السمٰوات والارض فابین ان یحملنھا وحملھا الانسان۔ (ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اپنی امانت کے اٹھانے کی پیشکش فرمائی تو انہوں نے اس بار امانت اٹھانے کی ذمہ داریوں سے معذرت کی اور انسان پر جب اسے پیش کیا تو اس نے اس ذمہ داری کو اپنے ذمہ لگا دیا۔)

یاد رہے کہ امانت کی یہ پیشکش جب مخلوقات پر ہوئی تو انہیں اختیار دیا گیا کہ اگر اس امانت کا بوجھ تم نے اٹھایا اور اس کا حق ادا کیا اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالدی تو تمہیں رضائے الٰہی، جنّت،

اور دائمی عزت نصیب ہوگی اور اگر ذمہ داری قبول کرنے کے بعد بھی تم نے حق امانت پورا نہ کیا تو تمہیں دائمی عذاب اور جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ اس لئے تمہیں اختیار ہے کہ امانت کے متحمل بنتے ہو یا نہیں برداشت کرتے دونوں باتیں تمہاری مرضی پر ہیں مگر عدم تحمل کی صورت میں تمہیں اسی حالت میں رہنا ہوگا۔ جمادات کی طرح کہ نہ ترقی ہوگی نہ عروج اور نہ عذاب کا خطرہ ہوگا نہ جنت کی امید ہوگی۔ تو آسمانوں اور زمین نے امانت نہ اٹھائے جانے کو ترجیح دی کہ کہیں کوتاہی کی صورت میں عذاب میں مبتلا نہ ہونا پڑے مگر انسان جو کہ بالطبع رب العزت کا عاشق ہے اور عشق کے جذبہ سے اسکی روح اور اس کا قلب سرشار رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلب ہر وقت متحرک اور مضطرب رہتا ہے اور دھڑکتا رہتا ہے گویا کہ محبوب حقیقی کی تلاش اور یاد میں اپنی ہر حرکت سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا ہے۔ ایسے عاشق طبعی کو تو محبوب کا اشارہ بھی کافی ہوتا ہے تو جب محبوب کی طرف سے پیشکش ہوئی اس کو فوراً جذبہ عشق نے قبول امانت پر آمادہ کر دیا اور یہ پرواہ نہ کی کہ ذمہ داری میں کوتاہی کی صورت میں کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں گی۔ دیکھئے! فرہاد جو مجازی عاشق تھا محبوب کے اشارۂ ابرو پر پہاڑ کھودنے لگا۔ تو انسان جو عاشق حقیقی ہے محبوب حقیقی کے اشارہ پر کیوں بار امانت اٹھانے سے جھجکتا۔ اور اس کا نتیجہ یہی نکلا کہ خداوند کریم نے اسے آسمانوں زمینوں اور ساری مخلوقات پر فوقیت دی۔ یہ راعی اور وہ رعیت بنے ساری کائنات اسکی مسخر ہوئی، اسکو بحر و بر اور آسمان و زمین کے درمیان ساری فضا پر چلنے اور ان میں تصرف کرنے کی اجازت ملی اور بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا گیا اور عالم کی تمام اشیاء میں تصرف کرنے اور اسکی تحلیل و ترکیب کی اجازت ملی اشیاء کے اسماء اور خاصیتیں اسے بتلا دی گئیں۔

کائنات میں تصرف کی راہنمائی انبیاء نے فرمائی | اس تصرف اور استعمال کی رہنمائی رسولوں کے ذریعہ فرمائی جو معصوم اور معلم من اللہ تھے تاکہ انسان نفس اور شیطان کے دھوکہ اور خواہشات نفسانی کی وجہ سے اس امانت کو غلط طور پر استعمال نہ کرے اور تمام چیزوں کی ترکیب و تحلیل اپنے موقعہ پر اور نیک مقصد کیلئے کرے اشیاء میں بے جا تصرف سے بذریعہ وحی منع کر دیا گیا اور دیگر فضیلتوں کے علاوہ اسے نعمت علم سے نوازا گیا جو انسان کی خصوصیت ہے ان انبیاء کو دئیے گئے علوم میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی رہی، یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کی ذات پر علوم نبوت کی تکمیل کر دی گئی۔

علوم کا ظہور اور تکمیل حضور کی ذات پر ہوئی | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو جو

علوم دیئے گئے اس کی نظیر سابقہ ادوار اور گذشتہ امتوں میں نہیں ملتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ اوپر تشریف لے جا رہے تھے تو بیت المقدس میں بطور مہمانی وضیافت مختلف مشروبات پیش کئے گئے ایک گلاس پانی کا بھرا ہوا تھا، ایک میں شہد تھی اور ایک میں دودھ تھا، اور ایک میں شراب تھی۔ مگر یاد رہے کہ یہ جنت کی شراب تھی یعنی شراب طہور جو تمام مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اور طیب وطاہر اور ہر قسم کی خرابیوں سے پاک صاف ہو گی مگر پھر بھی شراب ہی اس کا نام تھا۔ حضور اقدس نے نہ پانی لیا نہ شہد اور نہ شراب بلکہ دودھ پی لیا۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا: الحمدللہ کہ آپ نے دودھ پی لیا یہ فطرت کے مطابق ہے اور دودھ عالم مثال میں علم کی شکل ہے۔ گویا اشارہ تھا کہ آپ کی امت علم میں باکمال اور سارے عالم میں ممتاز رہے گی اگر آپ شہد پی لیتے تو امت لذتوں میں پڑ جاتی اور اگر شراب پی لیتے جو اگرچہ طہور تھا تو امت گمراہی میں مبتلا ہو جاتی اگر پانی پی لیتے تو بے کمال رہ جاتی کیونکہ پانی صفات اور کمالات سے خالی ہے نہ میٹھا نہ کڑوا نہ سرخ نہ زرد نہ خوشبودار نہ بدبودار اس میں بالفعل کوئی کمال نہیں شہد میں لذت اور مٹھاس ہے شراب دنیوی مزیل عقل ہے اور اخلاق رذیلہ برانگیختہ کرتی ہے۔ حضور نے ان سب کو چھوڑ کر دودھ پی لیا جو علم سے تعبیر ہے۔

تو امت میں بھی علم سرایت کر گیا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ استاد کا رنگ شاگرد میں سرایت کرتا ہے اور باپ کے مخفی اثرات اولاد میں پائے جاتے ہیں۔ الولد سرٌّ لابیہ (حضور کا ارشاد ہے بچہ باپ کا راز ہے اسکی خفیہ صفات اس میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔) ایک حدیث میں ارشاد ہے: اوتیت علم الاولین والآخرین۔ (مجھے پچھلے اور اگلے سب لوگوں کا علم دیا گیا۔) دوسری حدیث میں ہے: انا مدینة العلم۔ (میں تو علم کا ایک شہر ہوں۔) —— تو حضور کا اثر اور پرتو ساری امت پر ہوتا ہے کہ پوری امت علم کی وارث ہے۔ البتہ اتنا یاد رہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم مادیات جس میں صنعت وزراعت حرفت طب ڈاکٹری سرجری اور سائنس جغرافیہ وغیرہ شمار ہیں، اور علم روحانیات جس میں تمام علوم مذہبیہ دینیہ داخل ہیں۔ اسی طرح امت کی بھی دو قسمیں ہیں امت دعوت جنہیں حضور کی دعوت متوجہ ہے کہ آؤ قولوا لا الٰہ الا اللہ۔ یہ دعوت الی الاسلام کل دنیا کے باشندوں کے لئے ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہے۔ وما ارسلناک الا کافة للناس۔ (ہم نے نہیں بھیجا تمہیں مگر نوع انسانی کے لئے۔) بشیراً ونذیرا

خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ تو کل دنیا کے انسان یورپ کے ہوں یا ایشیا کے مشرق کے ہوں یا مغرب کے یا افریقہ کے دور دراز علاقوں کے غیر متمدن وحشی ہوں سب کے سب حضورؐ کی امت دعوت ہے۔ آج بھی حضورؐ کی دعوت انہیں مخاطب کر رہی ہے، جیسا کہ چودہ سو برس پہلے تھا۔ مگر اس امت نے دعوت قبول نہیں کی اس لئے کافر ہے۔ اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کرنے والی ہے۔ اور جنہوں نے حضورؐ کی دعوت قبول کی ہے وہ امت اجابت ہے کہ دعوت کی اجابت میں انہوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہہ دیا ہے۔ ایسی امت کو امت مسلمہ کہا جاتا ہے۔

اصل علوم علوم نبوت تھے جو مسلمانوں کو ملے | علم ساری امت کو حضورؐ کی آمد اور بعثت کے بعد آپؐ ہی کی برکت سے ملا مگر امت دعوت کو زیادہ حصہ علوم مادیہ کا ملا اور امت اجابت یعنی مسلمانوں کو وافر حصہ علوم غیب، علوم نبوت و آخرت کا ملا جو اشرف ترین علوم تھا۔ علوم مذہبیہ میں امت مسلمہ کو جو مقام حاصل ہوا۔ اور جو تحقیقات ہر مسئلہ اور ہر موضوع پر علماء امت نے پیش کئے اس کی نظیر کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی جس کا کچھ حصہ لاکھوں کتابوں اور سینکڑوں علوم کی شکل میں آج بھی موجود ہے اس کا عشر عشیر بھی گذشتہ مسلمان امتوں میں نہیں ملتا۔

مادی اور روحانی علوم کا پورا ظہور حضورؐ کے بعد ہوا | اسی طرح امت دعوت نے مادی علوم تمدنی مسائل اور سائنسی تحقیقات اور تکوینیات کے مخفی اسرار ظاہر کرنے میں جو ترقی کی اسکی مثال حضورؐ سے پہلے زمانہ کی امتوں میں نہیں مل سکتی۔ الغرض ان تمام علمی کمالات کا ظہور امت مطلقہ میں اسی مخزن علم کے کمالات کا پرتو ہے جو سید الرسل اور خاتم النبیین ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر ترقی کا یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہیں ہوگا بلکہ دینی اور دنیوی علوم میں قیامت تک امت ترقی کرتی رہے گی۔ تو جس امت کا پیغمبرؐ سارے علوم اور کمالات کا سرچشمہ ہے اسکی امت، کسی علمی انکشاف اور علمی ترقیات کی کب مخالفت کر سکتی ہے۔ یا علم کی کوئی صحیح نئی بات جامع العلوم نبی کریم علیہ السلام کی تعلیمات کی کب مخالف ہو سکتی ہے۔

خلائی پرواز اور اسلامی تعلیمات | آج کل چاند تک انسان کی رسائی اور پرواز نے ہر فرد کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا دی ہے۔ سائنس کی اس ترقی نے بعض مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور وہ اس غلط فہمی میں ہیں کہ اس سے اسلامی تعلیمات پر زد پڑتی ہے۔ حالانکہ یہ تو محض ایک سائنسی اور تمدنی ترقی کا مسئلہ ہے۔ زندگی کے تمدنی مسائل میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لوگوں میں پچھلوں کی بہ نسبت ترقی ہوتی آرہی ہے اور ہمارے اسلاف نے کبھی اس کو دیکھ کر یہ خیال ہی نہیں کیا کہ اس ترقی سے اسلامی اصول مجروح ہوتے ہیں۔ مثلاً پہلے زمانہ میں سواری کا وسیلہ گھوڑا، خچر اور اونٹ

تھا پھر موٹر اور ریل بنائی گئی رفتہ رفتہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے اب اس میں میزائلوں اور راکٹوں کا اضافہ ہوا اور اس کے بعد بہت ممکن ہے کہ اور بھی تیز رفتار ذرائع سفر پیدا ہو جائیں۔

قرآن کریم میں تیز رفتار سواریوں کیطرف اشارہ | اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے : والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ویخلق مالا تعلمون - (اور پیدا کئے اللہ نے گھوڑے، خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور ان میں تمہارے لئے زینت بھی ہے اور پیدا کیا ان کے علاوہ ایسی چیزوں کو جنہیں تم نہیں جانتے۔) ویخلق مالا تعلمون مضارع کا صیغہ ہے اس میں قیامت تک وجود پذیر ہونے والی تمام تیز رفتار سواریاں آگئیں۔ اسی طرح سمندری سواری کا ذکر فرماکر بعد کی ایجادات کی طرف اشارہ کر دیا گیا : وآیۃ لھم انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون وخلقنا لھم من مثلہ ما یرکبون - (ان کیلئے قدرت کی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور پیدا کیں ہم نے ان کے لئے کشتیوں کی مانند طرح طرح کی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔)

الغرض ان آیات میں تمام نئی نئی بحری بری اور فضائی ایجادات کیطرف اشارہ موجود ہے۔ اسی طرح پہلے بات پہنچانے کا ذریعہ آمنے سامنے بات چیت کا تھا رفتہ رفتہ ترقی ہوئی تو تار ٹیلیفون لاسلکی یہاں تک کہ ریڈیائی لہروں سے کام لیا جانے لگا۔ اور کئی ذرائع کلام پہنچانے کے پیدا ہوئے۔

خلائی تسخیر خالص تمدنی اور سائنسی مسئلہ ہے | خلائی تسخیر کا مسئلہ بھی خالص تمدنی ترقی اور سائنسی تحقیق کا ہے جس میں کامیابی یا ناکامی دونوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے کبھی یہ دعوٰی نہیں کیا کہ انسان ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت نہیں کر سکے گا اور نہ یہ کہا کہ خلاء میں ذی روح اجسام کی پرواز ناممکن ہے نہ اس نے یہ دعوٰی کیا کہ فضاء میں کرۂ نار اور کرہ زمہریر ہے جن سے ذی روح کا گذرنا محال ہے اور نہ یہ کہا کہ زمین کی کشش ثقل سے باہر نکلنا ناممکن ہے یہ باتیں تو فلاسفۂ یونان کی مخترعات ہیں جن کی ابطال اور تردید اسلامی معتقدات ہی نے کر دی تھی۔

قرآن مجید اور لامحدود پرواز | قرآن مجید پلک جھپکنے میں ہزاروں میل مسافت طے کرنے کے نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا قائل ہے۔ ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے میں حضرت سلیمان ؑ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک - (اور کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب کا میں لا دیتا ہوں تیرے پاس اس تخت کو پہلے اس

کے لوٹ آئے تیرے طرف تیری نظر ۔)

اور وہ طرفۃ العین میں تخت لے آئے ۔ گویا کہ راکٹ کی تیز رفتاری سے اسلام کو انکار نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حرکت اور سرعت ممکن ہے۔

باقی رہی ستاروں تک پرواز تو یہ تو آپ کو تمہید سے معلوم ہوا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اور پھر مدار شرافت اونچی پرواز کرنا نہیں ہے آج خلاء میں بادل پھر رہے ہیں، چیل ، گدھ، کوے اور دیگر پرندے جو یعنی فضا میں اڑ رہے ہیں۔ ایک دیو ہیکل جن نے حضرت سلیمان کو تخت سبا چند لمحات میں پہنچا دینے کی پیشکش کی خود انسان عرصہ سے کئی کئی میل اوپر ہوائی جہاز میں پرواز کر رہا ہے تو اب اگر اس پرواز کی حد ڈھائی لاکھ میل خلاء میں چاند تک پہنچ گئی یا آئندہ اس سے بھی بڑھ جائے تو اس میں کیا استحالہ اور تعجب ہے اور قرآن مجید کے کون سے دعویٰ کا مقابلہ ہوا جو باعث حیرت بن جائے ، قرآن مجید سے تو جنات تک کا آسمان تک پرواز ثابت ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے سورہ جن میں جنات کی آپس میں گفتگو نقل فرمائی ہے۔ وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا ۔ (اور یہ کہ ہم نے ٹٹول کر دیکھا آسمان کو پھر پایا ہم نے اس کو کہ بھرا ہوا ہے سخت چوکیداروں سے اور انگاروں سے اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے ٹھکانوں میں سننے کے واسطے پھر اب جو کوئی سننا چاہے وہ پائیگا اپنے واسطے انگارہ گھات میں۔)

اس کی تفصیل بخاری شریف میں مذکور ہے کہ جنات اور شیاطین حضورؐ کی بعثت سے قبل آسمانی دنیا تک پہنچ کر خفیہ ٹھکانوں میں بیٹھ جاتے تاکہ ملائکہ کی آپس میں گفتگو سن کر اسے کاہنوں اور نجومیوں تک پہنچا دیں اس میں سنی ہوئی کوئی ایک بات تو درست ہوتی تھی اور سو باتیں جھوٹ اور من گھڑت ہوتی تھیں جس کا لوگوں میں مشہور ہو جانے پر اس وقت کے مذہب حق پر اثر پڑتا اس کے بعد دوسرے نبی آجاتے اور وہ اس جھوٹ اور حق سے مخلوط باطل کو باطل کر دیتے مگر حضور اقدسؐ آخری نبی تھے، خداوند کریم کو دین اسلام محفوظ رکھنا اور ذاتقین کی زیغ سے بچانا تھا۔ تو حضورؐ کی بعثت کے بعد جنات کا آسمانوں تک پہنچنا روک دیا گیا اور جب جنات اوپر پہنچنے لگتے تو ان پر انگارے اور شہاب ثاقب پھینکے جاتے تاکہ آسمانی باتیں نہ سن سکیں اور دین اسلام خلط ملط نہ ہو اور یکا مل و مکمل قیامت تک محفوظ رہے۔ الغرض اس آیت سے آسمانوں تک جنات کی پرواز اور صعود بلکہ آسمانوں کو چھونے (لمس سماء) تک کا ثبوت ہوتا ہے۔ بعض روشن خیال اسکی بھی تاویل کرتے

ہیں جسکی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ نے جنات میں آسمانوں تک پرواز کی صلاحیت رکھی ہے۔ اس لئے جنات وہاں تک پرواز کرتے تھے جہاں تک ان کی پرواز پہ پابندیاں لگی ہوئی نہ تھیں، اب اگر انسان اپنے علم و تحقیق اور خدا کے دئیے ہوئے وسائل کی بناء پر اوپر چلا جائے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

اسلام میں ستاروں تک رسائی کیلئے آسمانوں سے گذرنے کا کہیں ذکر نہیں یہ غلط ہے کہ ستاروں تک پہنچنے کیلئے آسمانوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ چاند آسمانِ دنیا اور سورج چوتھے آسمان پر ہے یا دیگر سیارے فلاں آسمان پر ہیں یا ثوابت سبعہ سیارہ ساتویں آسمان کے نیچے درجہ بدرجہ ہیں یہ فلاسفہ یونان کا عقیدہ اور بطلیموس کا مسلک ہے جس کا ذکر تصریح و شرح چغمنی میں پایا جاتا ہے نہ کہ فلاسفۂ اسلام کا ہم مسلمان نہ تو قدیم فلاسفہ کے معتقد ہیں اور نہ جدید فلاسفہ اگلے فلاسفہ کے ابطال آپس میں خود اور فلاسفہ فیثاغورث وغیرہ نے کی ہے اور آج کے سائنسدان قدیم سائنس کو خود لغو اور باطل قرار دے رہے ہیں۔ پھر جدید سائنس دانوں کا آپس میں شدید اختلاف ہے اور ان کے نظریات آپس میں متصادم، تو ہم خواہ مخواہ اسلام کو کیوں ایک فریق بنائیں۔ البتہ اتنی بات واضح ہے کہ آسمانوں کے اندر داخل ہونے کے لئے اجازت لینا پڑتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے ہیں جو بند رہتے ہیں۔ اندر جانے والا بغیر اجازت ربّ العالمین کے نہیں جاسکتا جیساکہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام حضورِ اقدسؐ کو لیکر آسمان کے دروازہ پر پہنچے اور دروازہ کو دستک دی تو فرشتوں نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جبرئیل پھر انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ من معک قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیل ارسل الیہ قال نعم ففتح۔ جبرئیل نے فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ تب دروازہ کھول دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ افلاک میں داخلہ بغیر اجازت خداوندی کے نہ فرشتہ کو ہے نہ نبی مرسل کو اور حضورِ اقدسؐ کا داخلہ آسمانوں میں ہوا مگر اجازت ملنے اور دروازہ کھول دینے کے بعد۔

موجودہ ترقیات کا اثر باطل مذاہب اور فلسفہ پر پڑتا ہے اب اگر ستاروں کے بارہ میں اسلام نے کہا ہوتا کہ آسمانوں کے اندر ہیں تب تو اشکال درست ہوتا کہ راکٹ اور خلائی جہاز آسمان کے اندر بغیر اجازت خداوندی کیسے داخل ہوئے جو کبھی نہیں ہو سکتے۔ مگر جب ہم بطلیموسی اقوال کے پابند نہیں ہم تو اسلام کے قائل ہیں تو یہ اشکال ہمارے اوپر وارد ہی نہیں ہوتا۔ جن مذاہب نے یہ دعویٰ کیا ہے ان پر اسکی زد پڑتی ہے مسلمانوں پر نہیں۔

تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں قرآنِ مجید کا تو اعلان ہے کہ ولقد زیّنا السماء الدنیا

بمصابیح وجعلناھا رجوماً للشیاطین۔ (ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کر دیا اور ہم نے بنایا انہیں شیاطین کو مارنے کی چیز۔)

شیاطین تو آسمانوں تک جا کر باہر رہتے ہیں۔ آسمانوں میں تو داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر ان ستاروں سے ان کا رجم تب ہی ہو سکتا ہے کہ ستارے بھی آسمانِ دنیا سے باہر ہوں اور دنیا کی زینت بھی ان ستاروں سے تب ہی ہو سکتی۔ اس لئے تو عبداللہ بن عباس نے فرمایا: النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملائکۃ (ستارے لٹکے ہوئے فانوس ہیں آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں کے ساتھ جنہیں فرشتے تھامے ہوئے ہیں۔) علامہ آلوسی صاحب روح المعانی میں فرماتے ہیں "جدید سائنسدانوں کا قول بھی اس کے قریب قریب ہے مگر ان کے ہاں نور کی زنجیروں کی تعبیر کشش اور مرکز ثقل کے نام سے ہوتی ہے۔ ویقرب منہ قول الفلاسفۃ الجدید لکن بالجذبہ۔ (روح المعانی ج ۱۵/۳۱) سورہ طلاق میں آیت ومن الارض مثلھن کے تحت توصاف تصریح علامہ آلوسی نے کی ہے کہ: ولم یقم دلیل علی ان شیئاً من الکواکب مغروز فی شیٔ من السماوات کالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح۔ (اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ایک ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسا انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ۔)

امام ابو حنیفہؒ کے استاد عطا بن ابی رباح کا بھی ایسا ہی قول ہے۔ علامہ آلوسی نے سورہ طلاق میں اسرائیلی روایات کی بھی تردید کی ہے کہ اکثر ناقابلِ اعتماد ہیں۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں میں ہونا مترشح ہوتا ہے، اسکی تردید روح المعانی کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔ باقی جن آیات سے ستاروں کا آسمانوں کے اندر ہونا مترشح ہوتا ہے اسکی تردید بھی روح المعانی وغیرہ تفاسیر میں موجود ہے اور عموماً ایسے مقامات میں ادنیٰ ملابست کے طور پر یا مجازاً نسبت کی گئی ہے۔

کلٌّ فی فلکٍ یسبحون کی تعبیر | مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی آیت کلٌّ فی فلکٍ یسبحون سے بظاہر لوگوں نے یہ فہم کیا ہے کہ سب ستارے آسمانوں میں تیر رہے ہیں مگر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس سے مراد اس موج کو لیا ہے جو روک دی گئی ہے آسمان کے نیچے جس میں چاند اور سورج گردش کرتے ہیں فقال اکثر المفسرین ھو موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر وقال الضحاک ھو لیس بجسم بل مدار ھذہ النجوم۔ حضرت

ضحاک کہتے ہیں کہ فلک سے مراد جسم نہیں بلکہ ان ستاروں کا مدار ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی ان احتمالات کو ذکر کرتے ہوئے آیت کو آسمان کے مفہوم میں مبہم قرار دیا ہے۔ الغرض اکثر مفسرین محل کواکب کو جس میں وہ گردش کرتے ہیں تحت السماء تسلیم کرتے ہیں۔ نہ کہ آسمان کے بیچ میں۔ تو روس اور امریکہ کے خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کا اگر اثر پڑتا ہے تو یونانی ہیئت اور بطلیموسی فلسفہ یا اسرائیلی روایات پر نہ کہ اسلام پر چاند تو کیا اگر تمام کواکب تک بھی رسائی ہو جائے تو بھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اسلام کی غیبی تائید سائنس سے ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ان سائنسدانوں کے ہاتھ سے اسلام کی غیبی تائید کروا رہا ہے۔ اور ان پر اتمام حجت ہو رہی ہے۔ سائنسدانوں نے اربوں روپے خرچ کئے تب کہیں اوزار اور آلات کے ذریعہ چاند سے مشت خاک لائے لیکن سید الرسل اور مسلمانوں کے ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دئے کہ دونوں ٹکڑوں نے مکہ معظمہ کی پہاڑی کو بیچ میں سے لیا پھر اسی طرح رب العزت نے چاند کے دو ٹکڑوں کو ملا دیا اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا آیۃ یقولوا سحر مستمر۔ اتنا بڑا کارنامہ جب بلا راکٹ و اسباب اور بغیر کھربوں روپیہ ضائع کئے ظاہر ہوا تو یورپ کے نرجاغوں نے اس معجزہ کی اب تک ہنسی اڑائی فلاسفہ نے مذاق کیا مگر آج انہیں خود قائل ہونا پڑا کہ تمام سیاسے خرق و التئام (پھٹنا اور جڑنا) اور توڑ پھوڑ قبول کرتے ہیں تو حقیقت تو یہ ہے کہ آج کی سائنسی تحقیقات سے اسلامی تعلیمات کی تائید ہو رہی ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ جو لوگ معجزات کے منکر تھے اور محال سمجھتے تھے ان دشمنان اسلام کی اپنی تحقیقات سے خدا نے ان کا منہ بند کر دیا ہے۔

قیامت اور معراج کی تائید قیامت جو ان سیارات اور عالم کے فنا اور نیست و نابود ہونے اور نئے سرے سے دوبارہ قائم ہونے کا نام ہے۔ آج تک فلاسفہ اس نظام کو ناقابل تغیر مان کر اسکی قدامت کے قائل تھے۔ اس توڑ پھوڑ سے خود ہی حدوث عالم اور تغیر پذیر ہونے کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اسلام نے جب اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ خلاؤں سے اوپر تشریف لے گئے اور ایک رات میں واپس ہوئے تو ان لوگوں نے انکار کیا کہ کروڑوں میل کی مسافت کیسے طے ہوئی اور بغیر آکسیجن کیسے زندہ رہے۔ آج کے خلاء نورد اس جسم کے ساتھ صرف چاند تک پہنچے اور بعض جگہ فی سیکنڈ ہزاروں میل کی رفتار سے پرواز کی۔

تو ملک الملک جو سموات و ارض کا خالق ہے اس کا اپنے رسول کو پہنچانے میں کیا استحالہ رہا؟

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً (پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو راتوں رات لے گیا۔)

رفع مسیح کی تائید | قرآن مجید نے اعلان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔ بل رفعہ اللہ الیہ۔ مگر جدید تعلیمیافتہ حضرات اسے ناممکن تلاتے ہیں کہ اس جسم کے ساتھ اوپر کیسے زندگی گذر سکتی ہے مگر آج خود چاند مریخ اور زہرہ میں اپنے سیٹ الاٹمنٹ کروانا چاہتے ہیں گو ابھی یہ مرحلے بہت دور ہیں، ہنوز دلّی دور است۔

آدم علیہ السلام کا نزول | اسلام نے تبلایا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہما السلام اسی زمین میں پیدا ہوئے پھر انہیں جنت میں اٹھایا گیا، کچھ عرصہ گذارنے کے بعد خلافت ارض کیلئے انہیں زمین پر اتارا گیا، اس کا بھی ڈارون کی اولاد نے انکار کیا۔ مگر اسلامی تعلیمات نے تو تخلیق انسان حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر اب تک انسانی عروج اور صعود و نزول اور خلاء سے گذرتے رہنے کا تصور پیش کیا اور بطور ظہور معجزہ و قدرت خداوندی اس کی کئی مثالیں پیش کیں۔

تمام مسلمان ساتویں آسمان سے بھی اوپر جائیں گے | اسی طرح جنت کو لیجئے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام مومنین اور عباد مقربین جنت میں جائیں گے، پھر یہ بھی ذکر ہے کہ قیامت کے دن تمام آسمان اور زمین فنا ہو جائیں گے۔ اس زمین اور آسمان کی جگہ جہنم لے لیگی اور عرش الرحمان کے نیچے اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جنت ہوگی جو ساتویں آسمان سے اوپر ہے تو گویا کل مسلمان سابقین و آخرین انشاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے اور یہ داخلہ جسم اور روح دونوں کا ہوگا۔ تو سب کی پرواز ساتویں آسمان اور اس سے اوپر ہوگی، تب تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ تو افسوس ہے کہ ایک ایسی امت اعداء اسلام کے لایعنی کارناموں سے مرعوب ہو یا اسے ناقابل تسلیم سمجھے حالانکہ یہ تو صعود اور پرواز کا ادنیٰ درجہ ہے، جو بطور اتمام حجت مادیت پرست قوموں کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے۔

کونسا مسئلہ حل ہوا | پھر اس "عظیم کارنامے" سے کونسا انسانی مسئلہ حل ہوا، بھوک افلاس بیماری ختم ہوگئی۔ بغض عناد کینہ اور خانہ جنگی ختم ہوئی، طبقاتی اور رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہوئے؟ انسانیت کو کونسا فائدہ ہوا ۔۔۔؟ کچھ بھی نہیں باہمی عداوت اور منافرت اور بھی بڑھ گئی ایک دوسرے پر فخر و غرور کیا جانے لگا پھر نتیجہ میں کونسا خاص تحقیقی انکشاف ہوا جس نے عالم کو حیرت میں ڈال دیا ہو۔ یہی کہ چاند عناصر سے مرکب خاکستری یا سرمئی رنگ کی چیز ہے جو سورج سے روشنی لے کر دنیا کو منور کرتی ہے مگر یہ تصور تو ظنی طور پر فلاسفۂ قدیم نے بھی پیش کیا تھا۔ تصریح اور شرح چغمنی اٹھا کر دیکھیں اس وقت سے انہوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ جرم قمر خاکستری ہے۔

اور یہ عربی مقولہ تو زبان زد ہے کہ نور القمر مستفاد من نور الشمس ۔ (چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے حاصل کی گئی ہے ۔)

باطل مذاہب متاثر ہوئے۔ اگر ہماری نگاہ میں اس کارنامہ سے ایک ہی فائدہ تو حاصل ہوا وہ یہ کہ باطل مذاہب لرزہ براندام ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت پر زلزلہ آگیا ہے اور آج کے اخبارات میں ہے کہ یہودیوں نے تو اپنی بعض عبادات میں ترمیم کردی ہے ۔ اور کلیسا والے بھی واویلا کر رہے ہیں۔ فلاسفۂ یونان کی تغلیط ہوگئی۔ معجزات سے منکر شرمندہ ہوئے۔ مگر اسلام کی تو سراسر تائید ہی تائید ہوگئی کوئی مسئلہ اور کوئی عبادت نہ متاثر ہوئی اور نہ قیامت تک متاثر ہو سکے گی۔ لاتبدیل لکلمات اللہ ذلک الدین القیم۔ یہ تو دین قیم ہے اور قیامت تک باقی رہنے والا دین ہے۔ خداوند کریم نے اتمام حجت نہ صرف دلائل سے بلکہ اس زمانہ کی سائنس کی بدولت حواس اور مشاہدہ سے بھی کرادی ۔

وحی اور اسلام کے دیگر دعوؤں کی تائید جب اسلام نے اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں سے اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں اور وحی و الہام کے ذریعہ انبیاء کرام رب العزت کی باتیں سن سکتے تھے ۔ تو اس کا انکار کیا گیا اور آج ڈھائی لاکھ میل دور خلائی جہاز والوں کے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے ۔ ٹیلی فون کئے جاتے ہیں ۔ اور ایک انسانی ایجاد ٹیلیویژن کے ذریعہ ڈھائی لاکھ میل دور کے حالات کا مشاہدہ ہو رہا ہے ۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قوت کے ساتھ بغیر آلات و وسائل کے کیوں جبرئیل امین؏ اور خداوند کریم سے ہمکلام نہیں ہو سکتے اور اگر انہیں آسمانوں کا مشاہدہ ہو رہا تھا تو کیا تعجب تھا۔

معجزہ امکان کی دلیل ہے اتنی بات یاد رہے کہ انبیاء کرام کے ہاتھوں ایسے امور کا ظہور بلاشبہ معجزہ تھا، جو بغیر آلات و وسائل کے ہوا جو کسی کے بس میں نہیں ، مگر اس سے بہر حال یہ تو ثابت ہوا کہ ذی روح جسم کا رفع الی السماء ممکن ہے ۔ اس لئے کہ معجزہ نام ہے اس کا کہ کسی امر کا ظہور بطور خرق عادت کے ہو جائے نہ کہ کسی محال کو ممکن بنا دے ۔ اب اگر کوئی وسائل اور ذرائع کے ذریعہ سے ایسا کر دے تو یہ ممکن ہے مگر اسے معجزہ نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً ایک شخص بغیر وسائل و ذرائع کے کراچی پہنچ جائے تو یہ اس کی کرامت ہے ۔ اور اگر ریل موٹر جہاز وغیرہ کے ذریعہ جائے تو اسباب عادیہ کا یہ عمل خرق عادت نہیں تو اس کو کرامت نہیں کہا جا سکتا۔

قرآن کریم کا بنیادی مقصد رہا یہ امر کہ موجودہ ترقیات کا ذکر قرآن مجید میں صراحۃً کیوں نہیں تو

باقی صفحہ ۲۵ پر

بتقریب آمد صاحبزادۂ شیخ الاسلامؒ
مولانا محمد اسعد مدنی

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ

حکایت از قدآں یار دلنواز کنم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنم

نام لقب اور حسب ونسب | حضرت کا نام نامی حسین احمد بن حبیب اللہ ہے، نسباً سید ہیں اور حسباً اپنے آخری مورث اعلیٰ جد الاولیاء باب العلم، امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحیح جانشین ——— تاریخی نام چراغ محمد اور لقب امیر الہند تھا مگر، آخر میں دینی خدمات کثیرہ اور عظیمہ کے صلہ میں شیخ الاسلام کی دیبائی قبا طلعت زیبا پر زیادہ موزوں ثابت ہوئی ——— والحق انہ کان احق بہ واھلہ - ع ایں قبائیست کہ بر طلعت شان دوختہ اند -

مولد اور مہاجر | مولد قصبہ بانگر مئو ضلع اناؤ الہند ہے اور مہاجر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ولادت وصال عمر اور مرقد | ولادت باسعادت ۱۹ شوال ——— ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء کو ہوئی، ۸۲ سال کی عمر میں ——— ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء ۵ دسمبر ظہر پنجشنبہ کو راہی عالم قدس ہوئے شب جمعہ جوف لیل آخر کی رحمت بیز گھڑیوں میں آغوش رحمت میں آرام فرما ہو کر نم کنومۃ العروس کی صدائے رحمانی سے سرفراز ہوئے ——— اللھم نور مضجعہ ونور مرقدہ ——— ولا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ

——— مرقد اطہر مقبرہ قاسمی دیوبند (بھارت) میں زیارت گاہ عشاق ہے۔

برق رفتار ارتقاء | قشر پرست دنیا کا خیال ہے کہ ترقی نام ہے ظاہری جاہ وجلال کا اور دنیوی مناصب ومراتب کا، مگر حقیقت بین نظروں میں یہ ایک ایسا فریب ہے جس سے ہر ایک عاقل کو پورے حزم واحتیاط سے بچنا چاہئے۔ وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ——— دراصل علم وعمل ہی انسان کی ایسی دو قوتیں ہیں کہ اگر ان پر نبوت کے علم وعمل کا پرتو پڑ جاتا ہے۔ تو

انسان انسانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر صحیح ترقی یافتہ کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ارتقائی قوت کتنی برق رفتار واقع ہوئی تھی، اس کا تھوڑا سا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اردو مڈل کی تعلیم سے فارغ ہو کر جب فارسی عربی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی تو صرف اٹھارہ سال کی عمر میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ، ریاضی وغیرہ تمام علوم متداولہ سے فراغت پا کر دستارِ فضیلت کو زیب سر فرمایا، اور علم بھی وہ کہ بقول شمسی صاحب ؎

زاں نازش علم و عمل آرائش بزم ازل　　　بنگر کہ حیران اہل درحیرت دعمار آمدہ

اور عمر کے بائیسویں ہی سال عین عنفوانِ شباب میں نسبت باطنیہ کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ مرشد کامل شیخ گنگوہیؒ نے خلعت خلافت سے نوازا۔ شمسی صاحب ہی کا قول ہے ؎

مسند نشین علم دیں کیخسرو اہل الیقین　　　شاہنشہ دنیا و دیں جبر سے زاحبار آمدہ

بیاسی سالہ لمحات حیات کی بین الملکی تقسیم | امام المرسلین حضرت خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ وسعتیں سب جانتے ہیں کہ زمان و مکان کی حدود سے بے نیاز ہیں۔ یہاں اسود و احمر کا فرق نہیں اور بیت و برو مدر میں کوئی امتیاز نہیں، آفتاب عالمتاب کی ضیا بخشیوں میں شرق و غرق کا کیا سوال ؎

در فیض محمد وا ہے آئے جسکا جی چاہیے　　　نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جسکا جی چاہیے

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ حضرت مدنیؒ کی فنافی الرسول شخصیت کو بھی حق تبارک و تعالیٰ نے بحیثیت ایک سچے وارث رسولؐ کے اشاعت علوم اور اصلاح ظاہر و باطن میں وہ توفیق عطا فرمائی کہ بیاسی سالہ لمحات حیات ایک طرح کی بین الملکی نوعیت سے تقسیم ہو گئیں۔ شمسی صاحب نے کہا ہے ؎

از فیض آں فخر زماں سرسبز شد ہندوستان
نے نے کہ آفاق جہاں چوں بزم عطار آمدہ

چنانچہ ۱۔ حیات طیبہ کے پانچ سال بہ سلسلہ تعلیم شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے پاس دار العلوم میں گذرے۔ ۲۔ گیارہ یا چودہ سال علی اختلاف الروایات روضۂ خضراء علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام کے جوار پر انوار میں درس حدیث دیکر شیخ الہند والحجاز کا لقب پایا۔ ۳۔ چھ سال سلہٹ بنگال میں جامعہ اسلامیہ کے شیخ الحدیث رہے اور ۴۔ پوری تہائی صدی تیس سال تک دنیائے اسلام کی مایہ ناز واحد عظیم الشان یونیورسٹی ازہر ہند دار العلوم دیوبند کے بیک وقت

صدر المدرسین، شیخ الحدیث اور کافی عرصہ تک اسی کے ساتھ ساتھ ناظم تعلیمات کی حیثیت سے وہ خدمات عظیمہ سر انجام دیں کہ دیکھنے والا بے ساختہ بول اٹھے۔ ؏

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

شمسی صاحب کا ارشاد ہے ؎

زاں حضرت جمشید جاہ یکسر بناز و تخت گاہ — نظم و نظام مدرسہ تازہ چوں ذخار آمدہ

حقا کہ آں شیخ الحرم علامہ شبلی شیم — رشک عرب فخر عجم چوں گل بہ گلزار آمدہ

رزم و بزم کا حسین امتزاج اسی پر بس نہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ بااللیل رہبان و بالنہار فرسان کی چونکہ جیتی جاگتی تصویر تھے، اس لئے اسی کے ساتھ ساتھ غالباً بیس سال تک مسلسل جمعیت علماء ہند جیسی مجاہد اور سربکف جماعت کے عہدۂ صدارت کو بھی شرف بخشتے رہے۔ اور اسطرح عرب و عجم اور ہندوترک تک دین محمدی کے پیغام پہنچانے والے شیخ الکل کی عمر عزیز کے پورے پندرہ سال جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں سنت یوسفی کے نذر ہوتے، کفر آپ کی للکار سے لرزہ براندام رہا اور اہل حق آپ کے سہارے ہمیشہ کا سگاری سے ہمکنار رہے۔ بقول شمسی صاحب ؎

از ہیبت آں شیر نر یورپ ہمیشہ نوحہ گر — لرزہ فتادہ در جگر بزنالہ کردار آمدہ

حقیقت یہ ہے کہ رزم و بزم کے امتزاج کا یہ حسین نظارہ صدیوں بعد چشم فلک کو نصیب ہوا جسکی آخری بہار ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو ختم ہو گئی۔ ؏ اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لیکر۔

اخلاق حسنہ کی ایک جھلک حضرت سدرہ نشین ہو کر اپنے مجاہدات ریاضات اتباع سنت اور زندگی بھر خدمت دین کرنے کا بہترین صلہ پا رہے ہوں گے ——— جزاہ اللہ احسن عمل و یزیدہ من فضلہ ——— آپ کو ہماری تحسینات کی ضرورت نہیں رہی۔ فانہم وجدوا ما وعدہم الیہم حقا ہمیں ضرورت ہے اس کی کہ آپ کے اخلاق حسنہ کو اپنائیں جس سے ایک طرف اپنی عاقبت سنور سکتی ہے اور دوسری طرف آپ کی پاک روح کو خوش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت کے زہد و ورع، تقویٰ و خشیت، انابت الی اللہ، جود و سخا، دینی غیرت، جہاد فی سبیل اللہ، عفو و مرحمت، دلیری اور جرأت، صاف گوئی اور صاف دلی اور نہ معلوم انسانی شرافت کے کیا کیا عنوان ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اس مجمع الحسنات والکمالات میں جمع

فرما دئیے تھے۔ آپ کی زندگی میں ان سب کے بیسیوں واقعات پڑھے اور دیکھے جا سکتے ہیں ——— ان سے مدرس فرائض تدریس سیکھ سکتا ہے۔ مرشد مسند ارشاد کی تکمیل کر سکتا ہے۔ لیڈر اور قائد قومی پیروی بن سکتا ہے۔ مجاہد حق و باطل کی معرکہ آرائی میں سب سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ غرض آپ کی زندگی کیا ہے، فنونِ استقامت کی ایک جامع اور مانع کتاب۔

حضرت مدنی بحیثیت ایک مدرس کے | ذیل کے واقعات منثورہ میں اسکی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

الف ——— امیر العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم کا بیان ہے کہ مرض الوفات میں حضرت جب درس دینے سے معذور ہوئے اور حسب ضابطہ مدرسہ ایام مرض کی تنخواہ پیش کی گئی اس وقت علاج معالجہ چھوڑ کر حضرت کے عام اخراجات کا اندازہ ماہانہ ایک ہزار روپیہ سے زائد ہی تھا پسماندگان کیلئے کوئی ترکہ بھی نہیں چھوڑ رہے تھے تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ کی رقم جب دار العلوم سے پیش کی گئی تو حضرت نے یہ کہہ کر واپس فرما دی "جب میں پڑھا نہیں رہا تو تنخواہ کاہے کی لوں"

حضرت مدنی بحیثیت ایک قومی کارکن کے | مولانا ظہور الحسن صاحب کا بیان ہے کہ حضرت جب سیوہارہ کانگریس کے ایک جلسہ میں تشریف لائے اور ہم نے حسب تجویز کمیٹی ایک سو روپیہ کرایہ اور سفر خرچ کیلئے پیش کیا تو حضرت نے تیسرے درجہ کا کرایہ بلا خادم اور نہایت ہی سادہ چند آنوں کے سفر خرچ کا بل بنا کر دیا اور بقیہ رقم واپس کر دی، منتظمین نے اصرار کیا تو آپ نے دریافت فرمایا: یہ خرچ آپ اپنے جیب سے دے رہے ہیں یا عام چندہ ہے۔ عرض کیا گیا چندہ ہے مگر لوگوں نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ اور حسب صوابدید صرف کرنے کا مجاز بنا لیا ہے ——— ارشاد ہوا:

"آپ کو عام لوگوں کا چندہ اس بے دردی سے صرف کرنا جائز نہیں ہے اور رقم واپس کر دی"

حضرت مدنی بحیثیت ایک غیور اور خود دار عالم کے | مولانا موصوف ہی کی روایت ہے کہ مجھے ایک دفعہ معلوم ہوا کہ حضرت زیادہ مقروض ہیں تو میں نے حیدر آباد دکن میں نواب فخر یار جنگ سے ذکر کیا، طے یہ پایا کہ حضرت حیدر آباد تشریف لے آئیں متعلقہ وزراء سے حضرت کی ملاقات کرا کر محکمہ متعلقہ سے پانچ ہزار روپیہ کی امداد دلائی جاوے حضرت کو لکھا گیا تو جواباً تحریر فرمایا: مجھے

اس ذلت کے ساتھ ایسی رقم کا لینا منظور نہیں۔"

حضرت مدنی بحیثیت ایک قومی لیڈر کے سیاسی بحران میں حضرت کے مخالفین جب شرافت انسانیہ کی حدود سے گذر کر گستاخیاں کرنے لگے حتیٰ کہ ایک جلسہ میں سنگ باری شروع کردی اور بعض جان نثاروں نے حضرت کے وقایہ بننے کی کوشش کی کہ کہیں تکلیف نہ پہنچ جائے تو آپ نے ان کو سختی سے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا: "حسین احمد کا سر آپ حضرات کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں۔" اور اسی سنگ باری کی حالت میں نہایت دلیرانہ اور مجاہدانہ تقریر فرمائی۔

حضرت مدنی بحیثیت رحمۃ للعالمین کے ایک غلام کے ایک دفعہ ایک خادم نے ان مخالفین کی ہجو میں نظم لکھی اور بغرض اشاعت المدینہ بجنور کے دفتر میں بھیجی، اتفاقاً حضرت دفتر المدینہ میں تشریف فرما تھے، نظم نظر سے گذری۔ فرمایا:

"بھائی میرے ساتھ جس کسی نے جو کچھ کیا ہے یا آئندہ کرے گا، میں سب کو معاف کر چکا ہوں، آپ میری وجہ سے کسی کو برا بھلا کہیں نہ بد دعا دیں۔"

حضرت مدنی بحیثیت ایک مرشد اور متقی کے حضرت مولانا خدا بخش صاحب ملتان کا بیان ہے کہ ہم نے ایک بار حضرت کے بیٹھنے کے لئے ایک گدا بچھایا، گدے پر ایک دوتہی بچھادی، یہ دوتہی چوخانی تھی اور اسطرح کہ جمع کا نشان (+) اس کے خانوں میں بن جاتا تھا، حضرت نے فرمایا: اس پر نہیں بیٹھوں گا، اس میں جگہ جگہ صلیب نما نشان ہیں۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب کا بیان ہے کہ حضرت نے جماعت کا لیٹر فارم اپنے ذاتی کام کیلئے استعمال نہیں فرمایا۔

فی الحال ایں بس است درخانہ اگر کس است

کتاب کی ضبطی پر مبارکباد ڈاکٹر فضل الرحمان کی رسوائے زمانہ کتاب "اسلام" کی ضبطی کا حکم صادر فرمانے پر دارالعلوم میں خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا گیا حضرت شیخ الحدیث صاحب نے صدر مملکت اور انکی انتظامیہ کے ممتاز ارکان کے نام ایک مکتوب میں اس اقدام پر نئی حکومت کا شکریہ ادا کیا ہے دیگر غیر دینی امور مثلاً عائلی قوانین وغیرہ کی فوری تنسیخ کا بھی مطالبہ کیا گیا اور آئندہ کیلئے ایسے دل آزار مواد کی اشاعت کے مستقل انسداد کی اپیل بھی کی گئی۔

(ادارہ)

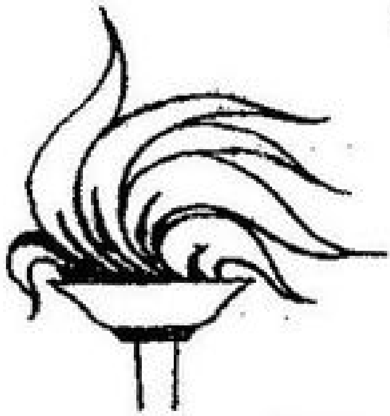

مجوّزہ تعلیمی پالیسی اور چند مشورے

مولانا محمد اشرف خان ایم۔ اے
صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

موجودہ حکومت پاکستان کی تعلیمی پالیسی کی تجاویز کا جو خاکہ نظر سے گزرا، اس بارے میں چند معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ موجودہ پالیسی کی اکثر تجاویز حوصلہ افزا ہیں۔ مشنری سکولوں کو حکومت کی تحویل میں لینا قابلِ مبارکباد ہے۔

۲۔ اسلامیات کی تعلیم | بندہ کے نزدیک میٹرک کی بجائے بی۔ اے تک آرٹس کے طلبہ کے لئے اسلامیات کی تعلیم لازمی ہونی چاہیئے۔ اور دوسری کلاس میں ترقی کے لئے اسلامیات میں پاس ہونا لازمی قرار دیا جائے۔ جو اہمیت اس وقت انگریزی تعلیم کو دی جارہی ہے کم ازکم وہی اہمیت اسلامیات کی تعلیم کو دی جائے۔

۳۔ سائنس اور پیشہ ورانہ کالجوں کے طلبہ کیلئے میٹرک یا PRE-ENGINEERING اور PRE-MEDICAL کی کلاسوں تک تو اسلامیات کا کورس ایک ہی ہو، اس کے بعد بھی آخر تک پیشہ ورانہ اور دوسرے شعبوں میں ایک پرچہ اسلامیات کا ضرور رکھا جائے تاکہ اسلام (جو کہ پاکستان کی بنیاد ہے) سے طلبہ کا رابطہ قوی رہے۔

۴۔ عربی اسلامیات کے جزو کی حیثیت سے | چوتھی جماعت تک ناظرہ قرآن اور ضروری دینی و اخلاقی مسائل بچوں کے ذہن نشین کرا دیئے جائیں اور پانچویں جماعت سے آٹھویں جماعت

عربی کو اسلامیات کا لازمی جزو قرار دے دیا جائے، اور اسکی تقسیم اس طرح ہو کہ مثلاً اگر سو نمبر کا اسلامیات کا پرچہ ہے تو پچاس نمبر خالص دینیات کیلئے اردو یا بنگلہ زبان میں ہوں اور پچاس نمبر عربی زباندانی (جو قرآن وحدیث پر مبنی ہو اور درجہ کے معیار کے مطابق ہو) کے لئے مقرر ہوں۔ میٹرک کی کلاسوں میں سو نمبر دینیات اور سو نمبر عربی زبان کے ہوں۔ جو ادبیات اور قرآن حدیث وسیرت وغیرہ پر مبنی ہو۔ میٹرک کے بعد اسلامیات عربی کتاب کے ذریعہ پڑھائی جائے۔

عربی میں اسلامیات پڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ۱۔ ہم قرآن وسنت کو اپنے ماخذوں سے معلوم کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ۲۔ اسلامی قانون وتاریخ اور اپنے دینی ورثہ سے ہمارا تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور قدیم علماء اور جدید تعلیمیافتہ طبقہ میں جو خلیج حائل ہے وہ کم ہو جائے گی۔ ۳۔ اسلامی خصوصاً عرب ممالک اور انڈونیشیا سے ہمارا رابطہ قوی ہو جائے گا۔ ۴۔ ہمارے مختلف فنون کے ماہرین کی مانگ عرب ممالک میں ہے انہیں ملازمت کے مواقع زیادہ میسّر آئیں گے اور عرب ممالک میں زندگی گذارنے میں آسانی ہو جائے گی۔ نیز ان ملکوں کو ہماری عربی زباندانی کی وجہ سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

۵۔ اسلامیات کا نصاب قومی پیمانہ پر مرتب کیا جائے یعنی پہلی سے لے کر انتہائی جماعتوں تک مشرقی ومغربی پاکستان کے دونوں حصّوں میں ایک ہی نصاب رائج کیا جائے، تاکہ پاکستانی ملت "اسلامی وحدت" کے ایک ہی نظریہ کے مطابق نشوونما پائے۔

۶۔ **عربی مدارس ودارالعلوم** | مختلف عربی مدارس ودارالعلوم ملک کے دونوں حصّوں میں اسلامی تعلیمات کے مرکز ہیں۔ ان مدارس کو موجودہ نظامِ تعلیم میں کلیۃً مدغم نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کے خاص معیار کو علماء کی نگرانی میں قائم رکھتے ہوئے ان کا مستقل وجود باقی رکھا جائے اور انہیں اسلامی تعلیم کی مہارت اور تکمیل کے مراکز قرار دے کر ان کی سندات کو تسلیم کیا جائے۔ دینی مدارس اور دارالعلوموں میں جدید دنیاوی علوم پڑھانے کے لئے دو صورتیں ہو سکتی ہیں :-

الف : ان مدارس میں داخلہ کے لئے عام سکولوں کے آٹھویں پاس طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ان کے کورس میں معاشرتی وعمرانی علوم۔ اقتصادیات۔ سیاسیات (POLITICAL SCIENCE) معلومات عامہ (تاریخ وجغرافیہ) اور کوئی ایک مغربی زبان قانون اور مطالعہ تقابل ادیان کو شامل کر لیا جائے۔ لیکن یہ علماء کرام کے مشورے کے بعد ہو۔

ب : دارالعلوم اور دینی مدارس اپنا نصاب اسی طرح مکمل کراتے رہیں۔ (یہ بات ذہن میں

رہے کہ اکثر مدارس عربیہ میں کل زمانۂ تعلیم آٹھ یا نو سال ہوتا ہے) فراغت کے بعد تین سال کا ایک خاص نصاب ان کے اساتذہ کے مشورہ سے مقرر کیا جائے جس میں فارغ التحصیل حضرات کو علوم حاضرہ سے شناسا کرایا جائے اور محوّلہ بالا علوم کی تعلیم دی جائے۔ جن مدارس میں دینیات کے خاص شعبوں کے تخصص کا سلسلہ قائم ہے، ان میں تخصص کے بعد یہ چیزیں شامل کی جاسکتی ہیں۔۔۔۔۔۔

نوٹ :- پاکستان کی بنیاد اسلام اور اسلامی نظریہ حیات پر قائم ہے اس لئے پاکستان میں ایسے مدارس کا قیام و بقا مملکت کی بقا و حفاظت کا ضامن ہے، جو پاکستانی نظریہ حیات یعنی اسلام کی صحیح تعلیمات میں مہارت رکھنے والے حضرات کو پیدا کر سکے، پچھلے ڈیڑھ سو سال کی تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی علوم کے ماہر اور عربی کے سکالر انہیں مدارس سے پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسلامی رہنمائی ملت نے انہیں سے حاصل کی اور عامۃ الناس کا دینی علوم کے بارے میں اعتماد بھی انہیں مدارس کے فارغ التحصیل علماء پر رہا، بہرحال دنیاوی علوم کی جو کمی محسوس کی جاتی ہے اس کا ازالہ یوں ہو سکتا ہے کہ ان مدارس کے نصاب میں نئے علوم کو شامل کر لیا جائے۔ اور ان میں سے خاص اور مقتدر دار العلوموں کو مستقل یونیورسٹیاں قرار دے کر "دینی علوم" کے مراکز کا درجہ انہیں دیا جائے اور ان کی سندات کو معیاری قرار دے کر قبول کر لیا جائے۔ اس بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان مدارس کے اخراجات عموماً عام لوگ PRIVATE طور پر مہیا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ملک کا خزانہ عامرہ بھی ان اخراجات کے بوجھ سے بچا رہتا ہے۔ اور افراد امت علم سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔

لہٰذا سرکاری خزانے پر مزید بوجھ ڈالنے کی بجائے ان کا نظم و نسق اور ذریعہ آمدن پبلک باڈیز اور انتظامیہ کمیٹیوں کے ہاتھ میں بحال رکھا جائے۔ خصوصی طور پر یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ ان مدرسوں میں دینی فضا اور دینی رجحانات دنیاوی علوم سے زیادہ ہوں۔ اور ان کا نظم و نسق بھی باعمل علماء کے ہاتھ میں ہو۔

۷۔ اردو اور بنگالی کی تعلیم اور رسم الخط :- ذریعہ تعلیم کی انگریزی سے قومی زبانوں میں تبدیلی قابل مبارکباد اور مستحسن تجویز ہے۔ اس طرح قومی یکجہتی کے لئے مغربی پاکستان میں بنگالی کی تعلیم (چھٹی سے دسویں تک) اور مشرقی پاکستان میں اردو کی تعلیم کی تجویز بھی خوش آئند ہے۔ اس سلسلے میں اگر اردو (جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) اور بنگالی (جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے) کو عربی رسم الخط میں لکھا جائے تو طلبہ جو کہ قرآن کے حروف سے آشنا ہو چکے ہونگے ان کیلئے پڑھنے میں آسانی ہوگی۔ مزید برآں

یہ اقدام قومی یکجہتی میں مد ہوگا اور مرور ایام کیساتھ ایک نئی پاکستانی زبان (جس پہ قرآنی اور عربی الفاظ کی چھاپ زیادہ ہوگی) پیدا ہو جائے گی۔ (اگر ضرورت سمجھی جائے تو کچھ عرصہ کے لئے اردو کی نصابی کتب کو عربی اور فارسی رسم الخط اور بنگالی کو عربی اور بنگلہ رسم الخط دونوں میں چھاپا جائے۔ اور طلبہ کو اختیار دیا جائے کہ جس رسم الخط میں وہ ان زبانوں کو پڑھنا چاہیں پڑھیں۔)—— نوٹ :- جو حروف عربی رسم الخط میں نہیں اور ادائیگی تلفظ کیلئے ان کی ضرورت لابدی ہے وہ عربی میں نکتوں یا دیگر نشانات کے ذریعہ سے پڑھائے جا سکتے ہیں، جیسے جدید عربی میں انگریزی کے "V" کے لفظ کو ایک نئے نقطہ "ڤ" سے ادا کیا جاتا ہے۔ "ف" پر ایک نقطہ مزید بڑھا دیا ہے۔ اس بات پر ماہرین فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۸۔ انگریزی میڈیم کے پبلک سکول | ایسے سکولوں کا بالکلیہ خاتمہ ضروری ہے کہ وہ پاکستانی قومیت" میں ایک "نئی قومیت" کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔ جبکا ذہنی پس منظر پاکستانی اور اسلامی روایات سے جداگانہ ہوتا ہے۔ اور ایک طرف احساس برتری" کا شکار ہو کر قوم کے عام طبقات سے اپنے کو مافوق سمجھتے ہیں، دوسری طرف خصوصی مراعات کی وجہ سے ملک کے اہم عہدے پر فائز ہو کر قومی احساسات و ضروریات سے ناواقف ہونے کی بناء پر ملک کے عوام و حکومت کیلئے مشکلات و مسائل پیدا کرتے جاتے ہیں۔

۹۔ اسلامی تربیتی دار الاقامے | کنڈر گارڈن سے لیکر یونیورسٹی تک جہاں وسائل مہیا ہوں اور ہاسٹل موجود ہوں۔ طلبہ کے لئے اساتذہ کی نگرانی میں ایسا ماحول مہیا کیا جائے کہ انکی نگہداشت و پرداخت اسلامی اور ملی نظریات کی حامل اور اسلامی طرز و قومی ثقافت و ورثہ کے مطابق ہو۔ ان تمام چیزوں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو پاکستان کے بنیادی نظریہ کے خلاف ہیں خصوصاً ابتدائی زمانۂ تعلیم میں مضامین کا بوجھ لادنے کی بجائے قرآن کریم، اخلاقیات، زباندانی اور سیرت و کردار کی اہمیت پر زور دیا جائے۔

۱۰۔ "قومی تعلیم کور" کے بارے میں "عورتوں" کی شمولیت ہمارے خاص ماحول کی بناء پر محل نظر ہے۔ "عورتیں اپنے خاص ماحول میں "عورتوں" ہی میں یہ خدمت انجام دے سکتی ہیں۔ عمومی "تعلیمی کور" میں انکی شمولیت مختلف مسائل کا سبب بن جائیگی۔ "قومی تعلیمی کور" کی بنیاد پر "قومی تبلیغی کور" کا قیام بھی مستحسن ہوگا، کہ اسلامی نظریات و اخلاق (جو پاکستان کی بنیاد ہے) کا پرچار ملک کے کونے کونے میں کیا جائے۔ چونکہ پاکستان دشمن ممالک سے گھرا ہوا ہے اور لڑائی کا ہر وقت خطرہ موجود ہے اس لئے یہ بہت مناسب ہوگا کہ ہر پاکستانی کو سکول اور کالج کے زمانۂ تعلیم میں فوجی تعلیم و تربیت دی جائے تاکہ اچانک لڑائی کے موقع پر وہ ملک و قوم و ملت کے دفاع میں حصہ لے سکے۔ یا ترکی کیطرح فوجی تعلیم ہر شخص کیلئے لازمی قرار دی جائے اس سے دفاعی مقاصد کے علاوہ قوم میں نظم، طاعت امر اور اتحاد بھی پیدا ہوگا۔

امید ہے ان گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائیگا اور اب جبکہ تعلیم کو نئی بنیادوں پر استوار کیا جارہا ہے ان تمام چیزوں سے بچنے کی کوشش کی جائیگی، جو قومی یکجہتی اور اسلامی نظریات کیلئے کل ورد سر بن جائیں کہ بقول اکبر الہ آبادی ؒ

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آیا
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایڈیٹر اسلامک ایجوکیشن لاہور

تسخیرِ کائنات

خدا کے وجود کی شہادت

سائنس کائنات کے اس علم کا نام ہے جو ہمیں مظاہر قدرت کے مشاہدہ اور مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مظاہر قدرت کی تین بڑی قسمیں ہیں: مادی مظاہر قدرت، حیاتیاتی مظاہر قدرت، اور نفسیاتی یا انسانی مظاہر قدرت۔ اس تیسری قسم میں انسان کا شعور یا ذہن اور اس سے پیدا ہونے والے انسانی اعمال و افعال شامل ہیں۔

جو چیز سائنس کو ممکن بناتی ہے وہ یہ ہے کہ مظاہر قدرت کے اندر ایک نظم (ORDER) پایا جاتا ہے جو ہر وقت اور ہر مقام پر یکساں رہتا ہے۔ سائنسدان جو کام کرتا ہے وہ فقط یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدات سے اس نظم کو زیادہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ دریافت کر کے ضبط تحریر میں لاتا رہتا ہے، دراصل سائنسدان کی تحقیق اس شعور پر مبنی ہوتی ہے کہ قدرت کے مظاہر کے اندر ایک ایسا نظم موجود ہے جو کہیں اور کبھی نہیں ٹوٹتا۔ اگر سائنسی تحقیق کے کسی راستہ پر نظم کو دریافت نہ کیا جا سکے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راستہ پر مزید سائنسی تحقیق ممکن نہیں۔ اگر مظاہر قدرت میں نظم نہ ہوتا تو نہ تو کوئی شخص سائنسدان ہی بن سکتا، اور نہ سائنس ہی ممکن ہوتی۔ اب تک سائنسدان معلوم کر چکے ہیں کہ نظم ایک جوہر میں ایک سالمہ میں ایک کرسٹل میں اور برف کے ایک گالے میں، اور اجرام فلکی میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں نظم اس پوری کائنات کا مستقل کلیہ ہے۔ سائنسی علم دراصل موجودات کے اندرونی نظم کا ہی علم ہے۔ قدرت کے مادی مظاہر میں جو نظم پایا جاتا ہے وہ اس قدر جچا تلا ہے کہ ہم اسے ریاضیات کی اصطلاحات میں بیان کر سکتے ہیں۔ قدرت کے ایسے مظاہر جنہیں ہم نہایت معمولی سمجھتے ہیں۔ مثلاً ایک بلند عمارت سے گرنے والی کنکری کی بڑھتی ہوئی رفتار یا لوہے کی گرم کی ہوئی سلاخ کے پھیلنے کی مقدار، یہ سب مظاہر ٹھوس ریاضیاتی قوانین کی پابندی کرتے

ں وقت بھی کائنات میں جاری تھے جب کوئی ماہر ریاضیات بلکہ کوئی متنفس بھی دنیا میں بود نہیں تھا۔ جدید طبیعات کے مطابق مادہ فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن جب مادہ فنا ہو جائے تو اس کے بعد مادی مظاہر قدرت کا جو حصہ باقی بچ رہتا ہے وہ محض ان کی تعمیر کا نقشہ ہے جسے ہم ریاضیاتی فارمولوں میں پیش کر سکتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ نظم مستقل اور غیر متبدل ریاضیاتی نظم ہی مادی مظاہر قدرت کی حقیقت یا اصل ہے یہی نظم وہ چیز ہے جس نے تمام مادی سائنسی علوم کو اور ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ میں ان کے عملی اطلاق کو ممکن بنایا ہے۔ اگر یہ نظم نہ تھا تو سائنس کی ترقی سے جو لاتعداد سہولتیں اور آسائشیں دور حاضر کے انسان کے لئے ممکن ہوتی ہیں امکان میں نہ آتیں۔

اب اگر سائنسدان اس کائنات کو سمجھنا چاہتا ہے تو مظاہر قدرت کا نظم جس کی طرف سائنس بڑے زور سے اسکی توجہ مبذول کراتی ہے اس کے لئے کوئی ایسی بے کار اور بے معنی چیز نہیں ہو سکتی جسے وہ سرسری طور پر دیکھے سمجھے اور پھر نظر انداز کر کے آگے چل دے۔ کہ مجھے اس سے کیا غرض۔ ؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ نظم کسی ذہن کی کار فرمائی کی ایک ایسی معتبر علامت ہے جس پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر گندم کے کچھ دانے کسی فٹ پاتھ پر بکھرے ہوئے پڑے ہوں تو آپ بجا طور پر خیال کریں گے کہ کوئی شخص گندم کی تھیلی لئے جا رہا تھا، اور اس سے اتفاقاً گر گئے ہیں۔ لیکن اگر وہی گندم کے دانے اسی فٹ پاتھ پر ایک ریاضیاتی شکل مثلاً ایک باقاعدہ ہشت پہلو نقش کی صورت میں آراستہ ہوں تو کیا آپ کو اس بات پر ذرا سا بھی شک ہوگا کہ یہ نقش کسی ذہن کی پیداوار ہے۔ آپ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ عمدہ باقاعدہ اور خوبصورت نقش کسی ہنرکار کے ذہن کی تخلیق ہے۔ بلکہ آپ اس نقش کو دیکھ کر اس کے خالق کے ذہن کی کئی صفات معلوم کر سکیں۔ مثلاً آپ کہیں گے کہ چونکہ یہ نقش سوچ بچار کو ظاہر کرتا ہے جو زندگی کی علامت ہے، لہذا اس کا خالق ذہن ایک زندہ شخصیت ہے۔ چونکہ یہ نقش ایک ریاضیاتی شکل رکھتا ہے اور اس میں علم و حکمت کام آئے ہیں، لہذا لازماً ذہن دانا اور علیم اور حکیم ہے۔ پھر چونکہ نقش کے اندر گندم کے ہر دانے نے وہ جگہ لے رکھی ہے جو اس ذہن کے سوچے سمجھے ہوئے مقصد یا منصوبہ کے مطابق ہے۔ لہذا وہ ایک مقصد رکھ سکتا ہے اور اس مقصد کے مطابق کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے، چونکہ نقش ایک نظم رکھنے کی وجہ سے کشش پیدا کرتا ہے اور حسین و جمیل ہے۔ لہذا اس کا خالق حسن اور جمال سے محبت رکھتا ہے، اور حسن و جمال کو پیدا کر سکتا ہے، چونکہ نقش کا نظم اعتدال ظاہر کرتا ہے، لہذا اس کا خالق ذہنی طور پر عادل ہے۔ پھر آپ کہیں گے کہ اگر نقش کے اندر بعض ناہمواریاں یا بے قاعدگیاں ہوتیں اور وہ کامل نہ ہوتا

تو وہ منظم نہ ہو سکتا۔ لہذا اس کا خالق کمال سے محبت رکھتا ہے اور چونکہ کمال کا حصول فوری نہیں ہوتا بلکہ تدریج چاہتا ہے، لہذا تدریجی تکمیل اور تربیت اس کی صفات میں سے ہیں۔ اسی طرح سے زندگی، خالقیت، حکمت، قدرت، علم، محبت، جمال، عدل اور ربوبیت کے علاوہ اس ذہن کی اور بہت سی صفات کو بھی آپ ایسے ہی استدلال کے ساتھ معلوم کر سکیں گے۔ اس سے ضمناً یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ پوری کائنات میں بھی جہاں کہیں نظم ہوگا وہاں کسی ایسے ذہن کی کارفرمائی موجود ہوگی جو یہی صفات رکھتا ہو۔ گویہ نظم ایک آئینہ ہے جس میں نظم کے خالق کی یہ صفات پوری صفائی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتی ہیں۔

نظم کے یہ آشکار اوصاف حیاتیاتی سطح پر اور بھی زیادہ آشکار ہو جاتے ہیں۔ ایک زندہ وجود حیوانی نظم اور ذہنی کارفرمائی اور اسکی ملحقہ صفات کے ظہور کا نہایت ہی حیرت انگیز نمونہ ہے۔ اس کے تمام اعضاء و جوارح اس کے تمام خلیات اسکی تمام جبلتیں اور اس کے تمام اعضائے رئیسہ ایک مرکزی مدعا کے ماتحت کام کرتے ہیں، جو حیوان کا اپنا قائم کیا ہوا نہیں ہوتا۔ حیوان کے اندرونی حیاتیاتی اعمال و وظائف مثلاً ہضم، کیلوس، کیموس، خون، گوشت اور ہڈیوں کی ساخت ضروری کیمیاوی مرکبات کی پیداوار، دفاتین اور حیاتین کی تیاری، دوران خون، تنفس، توالد و تناسل، خودکارانہ نشو و نما، اعضائے رئیسہ کی فعلیت، زخموں کا اندمال، اور ہر قسم کے امراض کے خلاف قدرتی صحت بخش ردعمل جو سب مل کر حیوان کی زندگی اور نسل کی بقا کے لئے خود بخود عمل کرتے ہیں، ایک ایسے ذہن کی حکیمانہ اور قادرانہ تخلیق، تکمیلی اور تربیتی کارروائی کا پتہ دیتے ہیں جو حیوان کے علاوہ کسی اور کا ذہن ہے اور یہی ذہن ہے جو حیوان کے ان اندرونی اعمال و وظائف کے درمیان آپس میں اور ان سب کے علاوہ حیوان کے بیرونی جبلتی کردار کے درمیان ایک مکمل ہم آہنگی اور توافق پیدا کرتا ہے۔ وہ حیوان کی نشو و نما اس طرح سے کرتا ہے کہ حیوان زندہ رہنے کے لئے اپنے ماحول کے ساتھ مطابق ہو جائے مچھلی چونکہ پانی میں تیرتی ہے، اسکو وہ گلپھڑے دیتا ہے تاکہ ہوا کی بجائے پانی کو سانس لینے کے لئے استعمال کر سکے۔ اس کا جسم اس طرح سے بناتا ہے کہ تیرنے وقت پانی کی رو کم از کم مزاحمت کر سکے اس کے جسم کے آخر میں دم پتوار کی طرح پانی میں دھکیلنے کے لئے لگاتا ہے، اور جسم دونوں طرف حرکت میں چپوؤں کی مانند رد دینے کے لئے پر پیدا کرتا ہے۔ پرندہ چونکہ ہوا میں اڑتا ہے اسے پروں کا ایک نہایت ہی پیچیدہ نظام دیتا ہے جو اڑنے کے لئے مددگار ہے اسے ہلکا پھلکا رکھنے کے لئے اس کی ہڈیاں اندر سے کھوکھلی رکھ کر ایک ہلکی گیس سے بھر دیتا ہے۔ حیوان کو ماحول کے

مطابق بنانے کے لئے اس ذہن سے جو جو تخلیقی اعمال انجام پاتے ہیں آنکھ اور کان ان کی محیر العقل مثالیں ہیں۔ دراصل ذہن کی تخلیقی فعلیت کی برکت سے ماحول کے ساتھ توافق ہر زندہ جسم کا امتیازی نشان بن گیا ہے جو اسکی جسمانی ساخت اور جبلی اعمال کی تمام چھوٹی بڑی تفصیلات میں آشکار نظر آتا ہے۔ چونکہ سائنسدان کی اپنی سائنسی تحقیق اس بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس میں نظم نہ ہو اور جو کسی ذہن کی تخلیقی فعلیت کا ثبوت نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائنسدان خود اپنی ہی جستجو کے نتیجہ کے طور پر اس سوال سے دوچار ہوتا ہے کہ آخر یہ ذہن کونسا اور کس کا ہے جس کے کمالات کائنات کے ذرہ ذرہ میں کارفرما ہیں۔ اور سائنسدان ہی کا فرض ہے کہ جو سوال اس نے پیدا کیا ہے وہ خود اس کا جواب دے۔ اس سوال کو نظر انداز کرنا یا اس کا جواب دینے سے گریز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص راہ چلتے چلتے ایک مقام پر جہاں ایک بورڈ پر موٹا سا تیر سمت منزل کی نشاندہی کر رہا ہو۔ بلاوجہ ٹھہر جائے اور پھر آگے جانے کا نام نہ لے۔ سائنسدان کا تو امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ ہر بات کی وجہ ڈھونڈھتا ہے۔ تاکہ اپنے ذہنی عمل کی تکمیل سے رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ اپنے ذوقِ جستجو کو مطمئن کرے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو علم کی ترقی کا رک جانا ضروری ہے۔ سائنسدان کو اس سوال کا جواب اس لئے بھی دینا چاہئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا جواب اس کے گذشتہ حاصل شدہ سائنسی نتائج پر مزید روشنی ڈالے اور سائنسی تحقیق کے راستے پر اسکی آئندہ منزلوں کو آسان بنادے اور اگر وہ اس سوال کا جواب نہ دے تو اسکی سائنسی جستجو تشنہ ادھوری اور نا تمام رہ جائے گی اور آئندہ کی سائنسی جستجو کی راہوں میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ لیکن سائنسدان کو اس سوال کا جواب قرآن حکیم کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ قرآن حکیم دنیا میں پہلی آواز ہے جس نے کہا کہ تمام مظاہر قدرت خدا کی ہستی اور صفات کے نشانات ہیں اور انسان کو چاہئے کہ ان کا مشاہدہ اور مطالعہ کر کے خدا کو پہچانے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ۔

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور دن اور رات کے اختلاف ہی عقلمندوں کے لئے خدا کے نشانات ہیں۔

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔

کہئے اے پیغمبر آسمانوں اور زمین میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرو۔

اسلام میں
معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل

اس وقت یہ سوال بڑی اہمیت اور قوت کے ساتھ سامنے لایا جا رہا ہے کہ موجودہ نظام کی بدولت جو معاشی مشکلات پیدا ہو چکی ہیں اور معاشرہ جس بدحالی سے دوچار ہو رہا ہے اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے کونسی راہ اختیار کی جائے۔ اور معاشی نظام کے اس فساد اور معاشرہ کی بدحالی کو کسطرح دور کیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف نظریات کو معاشی مشکلات کے حل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے اور دنیا کے مروّجہ نظاموں میں سے کئی قسم کے نظامہائے معیشت کو سامنے لایا جا رہا ہے، مگر اس معاشی نظام کے فساد اور ان مشکلات کے جو اصل اسباب ہیں، یعنی اخلاقی اقدار کا فقدان اور حرص مال اور حب دنیا جیسے مذموم رذائل میں منہمک ہونا عام طور پر ان کی طرف سے غفلت اور بے توجہی برتی جا رہی ہے بلکہ اکثر نظریات تو حکیم رومیؒ کے اس شعر کے پورے مصداق ہیں کہ ؎ ہر دارو کہ ایشان کردہ اند......

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ موجودہ معاشی مشکلات کا "اخلاقی حل" پیش کر دیا جائے۔ تاکہ اصل سبب فساد کی نشاندہی ہو کر ان مشکلات کا صحیح حل سامنے آجائے۔ اسی ضرورت کی بناء پر یہ مضمون "اسلام میں معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل" پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ مضمون کوئی مستقل اور طبع زاد مضمون نہیں ہے۔ بلکہ اسکو معارف الحدیث، تجدید معاشیات اور اسلام کا اقتصادی نظام، ماہنامہ دارالعلوم وغیرہ مطبوعہ مضامین سے اقتباسات حاصل کر کے مرتب کیا گیا ہے، مگر چونکہ ان اقتباسات میں حسب ضرورت ترمیم و تشریح اور اضافات کے ذریعہ تصرف کیا گیا ہے۔ اس لئے ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر ان کو اس میں کسی جگہ کوئی خلجان

پیش آئے تو اس کا سبب مرتب کی تعبیری کوتاہی اور لفظی غلطی کو قرار دیا جائے اور اس پر اگر مرتب کو آگاہ کر دیا جائے، تو انشاء اللہ اسکی اصلاح کر دی جائے گی۔

دورِ حاضر کے تقاضوں اور ضروریات کے پیشِ نظر یہ مضمون اہل نظر و فکر اور ارباب علم کی خصوصی توجہات کا محتاج اور غور و فکر کا مستحق ہے۔

(مترجم سمیع الحق)

★

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ حال بتلایا گیا تھا، کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت آئی تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دیا، پھر اسکی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارہ میں اسی کا زیادہ خطرہ تھا، اسی لئے آپ نے از راہِ شفقت امت کو اس خطرہ سے آگاہ کیا۔

دولت کی افراط کا خطرہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میں تم پر فقر و ناداری کے آنے سے نہیں ڈرتا۔ لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کر دی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اسکو بہت زیادہ چاہا تھا۔ (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے۔) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے۔ جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔" (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے فقر و ناداری میں مبتلا ہونے کا نہیں بلکہ خطرہ اس بات کا تھا کہ امت میں زیادہ دولتمندی آ جانے سے وہ دنیا پرستی اور اسکی رغبت و چاہت میں مبتلا ہو کر ہلاک و برباد نہ ہو جائے اس لئے آپ نے اس خوشنما فتنہ "افراطِ دولت" کی خطرناکی سے امت کو خبردار و آگاہ فرمایا تاکہ وہ ایسا وقت آنے پر اس کے برے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی فکر کرے۔

اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے | کیونکہ اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ان لکل امۃ فتنۃ و فتنۃ امتی المال۔ (ترمذی شریف)

ہر امت کے لیئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔
مطلب یہ کہ مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی اور اسکی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس امت کیلئے بڑا فتنہ ہوگا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ خیر القرون کے بعد سے ہمارے اس زمانہ تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اس کو صاف محسوس ہوگا: کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی حرص و ہوس ہر زمانہ میں عام طور پر بڑھتی رہی ہے۔ اور بڑھتی ہی جارہی ہے، اور بلاشبہ یہی دولت کی حرص و ہوس، اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بیشمار بندوں کو خدا تعالیٰ کی بغاوت و نافرمانی کے راستہ پر ڈال کر اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے، بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و "معاش" کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر ہی اپنے باطل نظریات کو دنیا میں پھیلا اور شائع کر رہے ہیں۔

چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کی زندگی کے ساتھ لوگوں کا بہت تعلق ہوگیا ہے۔ اور دنیوی مال و دولت کی حرص و ہوس بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس لیئے خالص دنیوی زندگی کے "معاشی مسئلہ" کو اتنی اہمیت دیدی گئی ہے کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ غیر معمولی مقام حاصل نہ ہوا ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک طرف تو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیوں کے اندر علانیہ یہ نظری فلسفہ پڑھایا جاتا ہے کہ انسان اور انسانی زندگی کے سارے مسائل و مشاغل کا نچوڑ گویا صرف پیٹ اور روٹی یا معاش اور "معاشیات" ہے اور دوسری طرف عملی زندگی اور سیاسیات میں اس فلسفہ کے ماننے اور انکار کرنے والے افراد اور حکومتیں اپنے شہریوں اور رعایا کو سب سے زیادہ یہی سبق پڑھاتے اور رٹاتے ہیں، اور اپنے سارے اصلاحی اور تعمیری منصوبوں اور تجویزوں کے جو اغراض و مقاصد بتاتے رہتے ہیں۔ کم و بیش سب کی تان، روٹی اور پیٹ یا مادی اور معاشی زندگی کی سرگرمیوں پر ہی ٹوٹتی ہے۔"

اس لیئے ضروری معلوم ہوا کہ "اسلام نے اس معاشی مسئلہ کا جو اخلاقی حل تجویز کیا ہے۔ اسکو واضح کر دیا جائے تاکہ دنیوی دولت کی حرص و ہوس کے اس فتنہ نے اس مسئلہ کو جو غیر معمولی اہمیت دیدی ہے۔ اسکی اصلاح ہو جائے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں چند مسلمہ اصولوں کا ذکر مناسب معلوم ہوا کہ پہلے چند مسلمہ اصولوں کا ذکر کر دیا جائے تاکہ اصل بات کا

سمجھنا آسان ہو جائے۔

۱۔ یہ عالم دنیا جس میں ہم اپنی عارضی اور فانی زندگی گذار رہے ہیں۔ اور جس کو ہم اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس کے ذریعہ محسوس کرتے ہیں جس طرح یہ ایک حقیقت اور واقعی چیز ہے، اسی طرح عالم آخرت جو اس دنیوی زندگی کے گذارنے کے بعد سامنے آنے والا ہے۔ اور اسکی خبر اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبروں نے دی ہے۔ وہ بھی ایک قطعی اور نفس الامری یقینی حقیقت ہے۔ محض فرضی اور غیر واقعی تخیل نہیں ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے نقل اور عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارہ میں بحمداللہ پورا وثوق اور اطمینان حاصل ہے۔

۲۔ پھر دنیا کے بارہ میں ہمارا یقین یہ ہے کہ یہ اور اسکی ہر چیز راحت ہو یا تکلیف، تنگی ہو یا فراخی، فانی اور حقیر ہے۔ بخلاف عالم آخرت کے کہ وہ خود بھی غیر فانی اور جاودانی ہے اور اسکی راحت و تکلیف بھی ابدی اور دوامی ہے۔ اور وہاں پہنچ کر انسان کو بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اسکو بھی کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرما دی جائے گی۔ اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہیگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عطاء غیر مجذوذ" "وہ عطا خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔" اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر ہوگا، ان کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا اور اسکی ہر چیز کے فانی ہونے اور آخرت اور اسکی ہر چیز کے باقی رہنے کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کیلئے ہوتی اور دنیا سے اس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر ہی ہوتا۔

۳۔ لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اس لئے اکثر و بیشتر آخرت کی ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے۔ یہ انسان کی ایک قسم کی فطری کمزوری اور غلطی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کے ذریعہ انسانوں کی اس غلطی اور کمزوری کی اصلاح ہمیشہ کی جاتی رہی ہے، اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے درجہ کی کمتری اور اسکی حقارت اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کے مقام کی بلندی اور رفعت کو واضح کیا جاتا رہا ہے خصوصیت کے

ساتھ قرآن مجید میں بڑے پُر زور الفاظ اور اہمیت کے ساتھ جا بجا مختلف عنوانات کے ساتھ دنیا کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

۵۔ تمام پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے مقام تک پہنچانے کیلئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے اور اس سے زیادہ دل نہ لگائے اور اسکو اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اسکی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اسکو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کرے اور اسی فکر کو اپنے تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے۔ پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اسکی کامیابی کیلئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اسکی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو اور اس کے دل کا رخ آخرت ہی کی طرف ہو۔

اسلام میں معاشی مسئلہ دراصل کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اگر ان چند اسلامی اصولوں کو دلنشین اور ان کے مطالبات اور تقاضوں کو مدِنظر رکھ کر غور کیا جائے تو صاف واضح ہے کہ اسلام میں معاش کا مسئلہ کوئی اصولی اور اہم مسئلہ نہیں ہے، کیا آخرت پر یقین رکھنے والوں کیلئے "معاد" عالم آخرت، کے سوا معاش، کیا زندگی کا کوئی بھی معاشی یا غیر معاشی مسئلہ اس معنی میں کوئی اہم مسئلہ رہ جاتا ہے جس معنی میں جدید اور عصری معاشیات اور معاشی تعلیمات و رجحانات نے افراد اور جماعتوں، شہریوں اور حکومتوں سب ہی کی پوری زندگیوں کو خالص معاشی یا دنیوی مسائل و مشکلات کے حل کرنے اور سلجھانے میں الجھا رکھا ہے۔

ایمان کے بعد تو ایک مومن کیلئے سارے معاشی و دنیوی مسائل میں مسئلۃ المسائل اور سب سے اہم ایک ہی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ معاشی ہو یا غیر معاشی اسکی زندگی کی کسی راہ و روش میں کوئی قدم ایسا نہ اٹھے جس سے اسکی معادی یعنی آخرت کی زندگی کی منزل خدا نخواستہ کھوٹی ہوتی ہو کیونکہ زندگی کے جس مسافر نے سفر ہی کو منزل یا وطن نہ بنالیا ہو، وہ سفر کی عارضی اور وقتی خوشحالی یا راحتوں اور دلچسپیوں کو کوئی ایسا اہم مسئلہ کیسے بنا سکتا ہے جس میں گم اور منہمک ہونے کی بدولت مستقل اور دوامی راحتوں والا وطن گرتا یا بگڑتا اور برباد و ویران ہوتا ہو۔

اسلامی یا غیر اسلامی معاشیات اسی جگہ سے اسلامی اور غیر اسلامی معاشیات کا یہ

کھلا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی معاشیات کا تمام تر تعلق "معادیات" یعنی آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی کے بناؤ بگاڑ اور فلاح و خسران سے ہے اور اسلام میں "معاشی مسئلہ" معاد کے ماتحت اور بالکلیہ اس کے تابع ہے۔ اس لئے اس کا درجہ معاد کے اعتبار سے بالکل غیر اہم اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اور غیر اسلامی معاشیات کا مطمح نظر صرف دنیوی خوشحالی اور پیٹ و روٹی ہے۔ اسی لئے غیر اسلامی معاشیات میں معاشیات ہی کو اوّلیت کا درجہ دے کر اسی کو مقصدِ زندگی بنا لیا گیا اور تحریکوں یا حکومتوں کی بنیادیں اسی پر قائم کر دی گئی ہیں۔ اسکو اس سے کچھ غرض نہیں کہ اس کے حاصل کرنے میں آخرت کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے وہ بگڑتی ہے، یا سنورتی ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے ساری مخلوقات کا تعلق اپنے خالق سے عبد و رب یعنی بندہ اور بندہ پرور ہونے کا ہے۔ بندہ اور غلام کا کام صرف بندگی اور اطاعت و عبدیت ہے۔ باقی بندہ پروری یا ربوبیت، یعنی بندہ کی واجبی حاجتوں اور ضرورتوں کو برابر پوری کرتے رہنا، یہ ذمہ داری تمام تر اسی رب العلمین ہی کی ہے، جو مخلوقات کے سارے بیشمار عالموں کا خالق اور پروردگار ہے۔

انسانی اور غیر انسانی معاشیات انسان سے نیچے کی جمادی اور حیوانی مخلوق اپنی بندگی کے فرائض و واجبات غیر فکری طریقہ پر "فطرت و جبلت" کی رہنمائی میں ادا کرتی رہتی ہے تو اس کی پرورش بھی ان کے فکری اور شعوری ارادہ و اختیار پر مبنی تدابیر کے بغیر ہی ہوتی رہتی ہے۔

البتہ انسان کو زمین پر چونکہ خلیفہ اور امین کا منصب دے کر بھیجا گیا ہے اس لئے خلافت و امامت کے فرائض منصبی کی ادائگی کے بقدر اس کو ارادہ کی آزادی اور اختیار بھی عطا ہوا ہے اور اسی آزاد ارادہ اور اختیار سے اپنی دنیوی زندگی یا معاشی حاجتوں کی سربراہی میں کام لینے کی طاقت بھی اسکو دی گئی ہے۔

مگر خدا تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہونے کی حیثیت سے اس ارادہ اور طاقت کے استعمال کرنے کی اجازت خدائی احکامات کے تحت اور اس کے تفویض کردہ اختیارات کے حدود میں ہی دی گئی ہے۔

پھر جسطرح ایک آقا اور مالک کو یہ حق ہے کہ غلام کی استعداد و استطاعت کے موافق چاہے تو اس کے سپرد کوئی ایسا کام کر دے جس سے خود غلام کی کوئی حاجت و ضرورت قطعاً پوری نہ ہوتی ہو۔ مثلاً پنکھا جھولنے کا کام اس کے سپرد کر دے یا سرے سے اس کے کوئی کام ہی سپرد نہ کرے بلکہ اس کے ذمہ صرف یہ کر دے کہ وہ ہاتھ باندھے کھڑا رہے۔ اسیطرح

مالک کو یہ بھی حق ہے کہ کوئی ایسی خدمت اس کے حوالہ کر دے جس سے خود غلام کی بھی کوئی حاجت پوری ہو سکتی ہو۔ مثلاً اس کو تجارت یا زراعت کے کام میں لگا دے اور اس کی آمدنی اور پیداوار سے خود اس کے کھانے کپڑے وغیرہ کی ضرورتوں کو پورا کر دے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ دوکانداری یا کھیتی باڑی کے اس کام کے بغیر وہ غلام کو بھوکا ننگا رکھتا۔ غلام کا پیٹ بھرنا اور تن ڈھکنا تو بہر حال آقا کی ذمہ داری ہے، چاہے کسی زمینی یا آسمانی آفت کی بدولت کھیت میں ایک دانہ بھی پیدا نہ ہو اور دکان سے ایک پیسہ کی آمدنی بھی نہ ہو۔

غرضیکہ اسلام نے خدا اور بندہ میں جو تعلق قرار دیا ہے اس کے تحت جسطرح بندہ کی ذمہ داری بے چوں وچرا بندگی اور فرمانبرداری ہے۔ ؎ تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن —— اسی طرح خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہر حال میں بندہ پروری اور روزی رسانی ہے۔

البتہ یہ ہو سکتا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں کہ خود بندہ ہی کی کسی مصلحت سے اس کو فاقہ کشی بھی کرادی جائے۔ جیسا کہ طبیب بھی مریض کی مصلحت سے اس کو کبھی فاقہ کا مشورہ دے دیتا ہے۔ مثلاً بندگی کے درجات بلند کرنے اور وفاداری کی آزمائش کے لئے ایسا کیا جائے۔

اسلامی معاشیات کا بنیادی اصول | معلوم ہوا کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے انسان کے رزق و "معاش" کا مدار، ایجاد بندہ اور انسانی خود ساختہ معاشیاتی نظریات اور اسباب و وسائل پر نہیں ہے، بلکہ بقاءِ نفس کیلئے جسطرح ہر جاندار کے رزق کی ضمانت خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور وہ بحر و بر کی بیشمار و لاتعداد مخلوقات چرند و پرند وغیرہ کو اپنے خوانِ کرم سے رزق عطا کرتا ہے اور ان سب کو شکم سیر کرتا ہے، اسی طرح ہر انسان (خواہ مومن ہو یا غیر مومن) اس کے رزق کی ضمانت بھی اسی رزاق مطلق ذو القوۃ المتین نے لی ہوئی ہے۔ جب بحری اور بری ان گنت مخلوقات کی روزی رسانی سے اس کے خزائن نعمت میں کسی طرح کی کمی نہیں آتی تو کیا گنتی کے چند محدود انسانوں کے رزق دینے سے اس کے وسیع اور ان گنت خزائن رزق میں تنگی آجائے گی؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، وكاين من دابة لاتحمل رزقها الله يرزقها واياكم وهو السميع العليم۔ "کتنے طرح طرح کے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی پیٹھ پر لادے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو بھی وہ تو سب کا حال خود ہی پوری طرح سننے اور جاننے والا ہے۔"

اور ارشاد ہے وما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها۔ "اور کوئی (رزق کمانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اسکی

روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے"

پہلی آیت میں وھوالسمیع العلیم، کا یہ فائدہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ ہر فریاد کنندہ کی فریاد سنتے اور مناسب طور پر حاجت روائی فرماتے ہیں، اسی طرح وہ سب کی حاجتوں اور ضرورتوں کو خود بھی جانتے ہیں اس لئے بغیر مانگے بھی خود ہی روزی پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ جبتک تم داد و فریاد اور احتجاج و ہڑتال کے ہنگامے برپا کرو حکومتی کارکنان رزق سے مشکشائی نہ ہوتی ہو۔

رزق کی تنگی اور فراخی ہر جاندار کے رزق کی ضمانت اور ذمہ داری اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل عمیم اور احسان عظیم سے اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ مگر نفس رزق کی ضمانت کے بعد رزق بسط و قدر یعنی معاشی فراخی اور تنگی کا مسئلہ پھر بھی تکوینی اور تمدنی مصالح کے پیش نظر در پیش رہتا ہے۔ اس رزقی برابری اور معاشی مساوات کا وعدہ خدا کی طرف سے نہیں کیا گیا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: چاند اور اسلام ـــــ یاد رکھیں کہ قرآن کریم کا موضوع آخرت کی دائمی اور حقیقی زندگی کے حصول کیلئے دنیا کی چند روزہ زندگی کو استوار رکھنے کا طریقہ بتلانا ہے اور اسی مقصد کے لئے زندگی کے کسی مرحلہ پر بھی پیش آنے والی ضرورتوں کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔ سعادت اخروی کے طریقوں کو ترغیب و ترہیب سے بیان کرتا ہے اور تجارت، سیاست، ملازمت، زراعت سب شعبوں میں حلال و حرام کی رہنمائی کرتا ہے مگر وہ طبیعات نجوم اور جغرافیہ وغیرہ کی کتاب نہیں کہ ہر زمانہ کے عروج و ارتقا کے سارے مراحل بتلائے، البتہ بطور آیات آفاق اور مبدء و معاد میں غور و فکر کرنے کیلئے کہیں ضرورت آئی تو ان اشیاء کا ذکر ایسے جامع کلمات سے کرتا ہے جس سے قیامت تک اہم فنی مسائل بھی مستنبط ہو سکیں مگر یہ نہ ہر شخص کا کام ہے نہ اس کا فہم ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اولوالابصار اور عقلمندوں کیلئے علوم کا لامتناہی ذخیرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور ان کلیات سے قیامت تک جزئیات نکالے جا سکتے ہیں ـــــ محترم بھائیو! خداوند کریم کی کائنات بے حد حساب ہے اسکی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، ایک حدیث میں اسکی تعبیر ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ عرش معلّی کے نیچے ایک ہزار قندیل لٹکے ہوئے ہیں۔ اور یہ ساتوں آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کچھ صرف ایک قندیل میں سمائے ہوئے ہیں، باقی قنادیل میں کیا ہے۔؟ اس کا علم کس کو ہو سکتا ہے۔؟ وما یعلم جنود ربّک الا ھو ـــــ مختصراً یہی کچھ عرض ہوا آئندہ کسی موقع پر مزید تفصیل کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■■

تحریکِ ریشمی رومال کے بارے میں ایک شرمناک جھوٹ کی تردید

مدیر الحق کے نام حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ کا ایک وضاحتی مکتوب

جہاد حریت و استخلاص وطن کے بارے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی عالمگیر اور بے مثال تحریک "ریشمی رومال" سے مشہور ہے، لائل پور کے کسی ماؤف دماغ شخص نے کچھ عرصہ قبل اس تحریک کے بارہ میں تحریک ریشمی رومال کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں تاریخی واقعات کو ادھر ادھر سے جمع کر کے اپنی کتاب کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی طرف کر دی اور تحریک کی ناکامی کے اسباب کے ضمن میں تحریک کے بعض ممتاز اور بنیادی ارکان کے جذبۂ اخلاص اور وفاداری پر سخیف انداز میں دست درازی کی ۔ اس بارہ میں حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اپنی تشریف آوری کے موقع پر مدیر الحق کے استفسار کے جواب میں جو تحریری وضاحت فرمائی اسے سوال سمیت من وعن یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ ـــــــ ادارہ ـــــــ

حضرت محترم مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ

جناب عبدالرحمان ہزاروی نامی ایک شخص نے "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس کی نسبت تصنیف حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ کی طرف کی گئی ہے اس کتاب کے آخر میں حضرت شیخ الہند مرحوم کے ایک نہایت ممتاز جان نثار معتمد علیہ اور صاحبِ

سے تلمیذ اور تحریک کے سرگرم کارکن اسیر مالٹا مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ اور شیخ الہند کے بعض دیگر مخلص رفقاء کے متعلق نہایت بھونڈے طریق سے ایسی باتیں منسوب کی گئی ہیں جن سے ان حضرات کی بے لوث قربانی اور بے مثال کردار و شخصیت کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہے اور تاریخی حقائق سے لاعلمی رکھنے والے حضرات غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں، یہ کتاب آنجناب کے مطالعہ سے گذری ہے یا نہیں ---؟ اس قسم کی بے سروپا باتوں کے بارہ میں آپ کا کیا تاثر ہے ---؟

والسلام

سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک،
۱۷ر جولائی ۱۹۶۹ء

جواب --- محترم المقام مدیر ماہنامہ "الحق" دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ---- "تحریک ریشمی رومال" مرتبہ مولوی عبدالرحمان ہزاروی کی تصنیف کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف منسوب کرنا بدترین افترا ہے یہ تصنیف مولوی عبدالرحمان صاحب ہزاروی کی طبع زاد ہے جس میں تاریخی واقعات کو مسخ کرکے انتہائی مکروہ صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات سے بعض اقتباسات پیش کرکے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف ہے ---- اس میں خاص طور پر وہ حصہ انتہائی مکروہ افترا ہے جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ کے مخلص خادم و جان نثار اور رفیق اسارت اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح کے مخلص ترین رفیق حضرت مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کو ریشمی خطوط کی تحریک میں انگریزوں کا آلۂ کار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے ---میں مولوی عبدالرحمان ہزاروی کی اس قسم کی تمام افترا پردازیوں کی پرزور تردید کرتا ہوں جو انہوں نے حضرت مولانا عزیز گل صاحب کے متعلق اس کتاب میں کی ہیں اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے تعلقات حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ سے انتہائی یگانگت اور اخلاص کیساتھ قائم رہے ہیں۔ اور والد محترم کے انہیں تعلقات کے احترام میں انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود میں نے ان کی زیارت کی بیس سالہ تمنا کے حصول کے لئے ان کے دیہاتی خام مکان پر حاضر ہونے کی آج ہی سعادت حاصل کی ہے جہاں وہ اسی درویشانہ اور تبتل کی زندگی گذار رہے ہیں۔ جو حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کے مخلصین کا طرۂ امتیاز اور حضرت مولانا عزیز گل صاحب مدظلہ کی طویل تاریخی زندگی کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت رہی ہے۔

اسعد غفرلہٗ
۱۷ر جولائی ۱۹۶۹ء پشاور

مدنی شیخ کی مجلس میں

جامع و مرتبہ

احقر سمیع الحق عفرلہ بزمانہ قیام مدینہ ۱۳۸۳ھ

مقام

مدینہ طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

زمانۂ ملفوظات

۲۷ رمضان المبارک تا ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ

——— گذشتہ سے پیوستہ ———

فرمایا: پیری مریدی کا اصل مقصد تو شریعت پر لگانا اور حضور ؐ کی صحیح محبت اور اتباع سنت پیدا کرانا ہے۔ اگر ایسا پیر مل جائے تو لائق ہے پیری کے۔ بشرطیکہ اس کی زبان میں اثر ہو اگر ایسا پیر چپ اور خاموش بھی بیٹھا ہے تب بھی فیض سے خالی نہیں ہوتا من لم ینفعہ سکوتنا لم ینفعہ کلامنا۔ یہ ہمارے بزرگوں کا مقولہ ہے، یعنی جنہیں ہماری خاموشی سے فائدہ نہ ہو انہیں ہماری باتوں سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ فان القلب یاخذ من القلب والطبع یاخذ من الطبع۔ تاجر کے ساتھ بیٹھو گے تو تجارت کا شوق ہوگا، تاجر کے اثرات دل میں منعکس ہو جائیں گے شرابی کے ساتھ بیٹھو گے تو اس کے اثرات قلب پر پڑیں گے۔ الصحبۃ مؤثرۃ صحبت بہر حال موثر ہے، الحمد للہ آج میری طبیعت ٹھیک ہے آرام ہے تو یہ چند باتیں خدمت میں عرض کیں۔

فرمایا: دنیا فانی ہے موت سر پر ہے، انسان کو محتاط رہنا چاہیئے نہ علم پر غرور ہو نہ مال پر نہ تقویٰ و شیخی پر نہ دنیا پر کہ یہ سب چیزیں کچھ بھی نہیں عمل ضروری ہے، باتوں سے کام نہیں چلتا ہے

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی ۔۔۔ کہ اندریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

علم وہ ہے جس سے عمل پیدا ہو، عمل وہ ہے جس میں اخلاص کی جان ہو، اخلاص وہ ہے جس سے خوف و خشیت پیدا ہو، اور اگر خوف پیدا ہو تو عجز و درماندگی ہوگی، سوئے گا تو جلدی اٹھ کر روئے گا اور

گڑگڑائے گا، بدن پر ہر وقت خوف طاری ہوگا۔ انا عند المنکسرۃ قلوبہم۔

فرمایا: ایسا علم جس میں صالحین اور سب پر تنقید ہی تنقید ہوتباہی ہے، اپنے نفس پہ بدظنی کرتے رہو۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمودہ (؟) آب

خودی کے بت کو توڑ دو، یہاں لوگ حج کرنے آکر اوروں پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں ——— نہیں کیا ——— اپنا کام کرتے رہو۔ یہاں شیاطین بھی اچھی طرح گمراہ کراتے ہیں، یہ تو امتحان اور عشق کا سفر ہے، ادب کا مقام ہے، ہم تو عبید الامتنان ہیں نہ کہ عبید الامتحان۔

فرمایا: سلوک آجکل کہاں ہے، کرنے والے کہاں ہیں، ہماری تو صرف تبلیغ ہے، ہمارے ایک سید صاحب ہیں، مکہ معظمہ میں میں نے اُن سے ذکر کی حالت پوچھی، کہا بریانی زردے کھاتے ہیں، مجاہدہ کہاں ہوتا ہے۔ شاہ غلام علی دہلوی نے فرمایا کہ لفظ فقیر میں چار حروف ہیں ف میں فاقہ کیطرف اشارہ ہے تو فاقہ کشی کہاں ہے، ق میں قناعت کیطرف تو قناعت ہم لوگوں میں کہاں ہے، ی میں یادِ حق کی طرف اور ر میں ریاضت کی طرف اشارہ ہے، تو وہ بھی نہیں اگر فاقہ کرلیا تو فضل رب حاصل ہوگا تو وہی ف فضل بن جائے گا۔ اگر قناعت کی تو قرب حق حاصل ہوگا، یادِ حق میں لگا رہا تو اس کو بھی یادِ حق حاصل ہوگی، اور ر سے رحمت کا مستحق ہوگا۔ ورنہ ف فضیحت ق قباحت ی یاس اور ر رسوائی کا موجب بن جائے گی۔

فرمایا: ہم نے تبلیغ کو ایک ذریعہ بنا دیا ہے اصلاح کا، ورنہ سلوک کہاں سلوک والے لوگوں کو ٹالتے تھے کہ استخارہ کرو، جاؤ غور و فکر کرکے بیعت کی رائے قائم کرو ——— مگر ہم پھنساتے ہیں اور خود بلاتے ہیں تاکہ کسی طرح ادھر آجائے اور جس کدھر اس راستہ سے اصلاح ہوتی ہے بندگانِ حق کے ذریعہ ہے۔ زبانی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا صحبت اور حال سے تاثر ہوتا ہے۔ صحیح طبیعت والے کے قلب سے صحیح اثرات کا انعکاس ہوگا، بُری طبیعت سے بُرے اثرات کا انعکاس ہوگا، اس لئے ذکر اور صحبت صحیح اس زمانہ میں حفظِ ایمان کے لئے ضروری چیز اور بہترین سامان ہے۔

فرمایا: یہ بیعت ابتدائے اسلام سے خاص و عام (علماء و عوام) میں جاری رہی، ہر عصر ہر زمانہ ہر قرن میں اہل اللہ کے ہاتھ پر علماء اور عوام نے بیعت کی ہے یہ بیعت بیعت توبہ ہے۔ ایسے شیخ کو تلاش کرے جو عالم شریعت ہو باعمل ہو، آمر بالمعروف ناہی عن المنکر ہو،

اچھی باتوں کا بتلانے والا ہو اور اس کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ چکا ہو، تمام ظاہری باطنی چھوٹے بڑے گناہوں سے توبہ کراتے اور بیعت کرنے والا آئندہ زندگی کے لئے اس بات کا وعدہ کرے کہ جہاں تک ہو سکے زندگی میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کروں گا۔ اور خلاف شرع کوئی کام نہ کروں گا۔ مقصد اس بیعت سے قرب حق و رضائے حق ہے، تاکہ آئندہ زندگی سنت اور شریعت والی زندگی ہو تاکہ خاتمہ ایمان پر ہو، باایمان اس دنیا سے چلا جائے، اگر صغیرہ گناہ پر مداومت کی جائے وہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے۔ انگریزی بال رکھنا، ڈاڑھی منڈانا سب گناہ ہیں۔

ایک شخص کو بیعت کرتے وقت فرمایا: پاکستانی زمین بڑی عجیب ہے، بڑی سرسبز ہے، قبولیت کی صلاحیت رکھتی ہے، لوگوں میں انابت اور توبہ کا جذبہ موجود ہے۔

فرمایا: ایک مجلس میں ایک صاحب مودودی جماعت کے امیر تھے، میرے سامنے اسکی اور جماعت کی بڑی تعریفیں کرنے لگے میں نے ڈانٹ دیا کہ اتنی تیز باتیں مت کرو، سیاست تو ہمارا دین ہے، دین پر چلنا ہی سیاست ہے، افراد کی اصلاح کرو تو سیاست خودبخود ٹھیک ہو جائے گی، مودودی کا کام مجھے تبلاؤ اور میں ایسے بیشمار ایک ایک فرد کی مثالیں پیش کرتا ہوں کہ ان کے ایک جگہ جانے سے سینکڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے، ڈاڑھی چھوڑنے لگتے ہیں، گناہوں سے تائب ہو جاتے ہیں، تم مجھے تبلاؤ کہ مودودی صاحب نے کسی ایک کی بھی اصلاح کی کہ اس کا ظاہر بھی شریعت کے مطابق ہو جائے، سب ڈاڑھی کٹے ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے محمدی ڈاڑھی چاہئے، مودودی ڈاڑھی نہیں۔ مودودی کسی امام کا مقلد نہیں کسی ایک بزرگ کا معتقد نہیں اس نے صحابہؓ تک کو تنقید سے نہیں چھوڑا۔ تو میں نے کہا کہ ایسے شخص کی اتنی تعریف مت کرو۔

بعد از نماز مغرب ایک دفعہ جب کہ مسجد نبوی سے مکان جاتے ہوئے حضرتؒ کے ساتھ تنہا جا رہا تھا تو فرمایا کہ ابتداء میں میں جب یہاں آیا تو کئی حج یہاں سے عرفات تک پیدل کئے۔ پانی کی مشک اور سامان ضرورت اٹھائے ہوئے جب ہمارے رفقاء پیدل جاتے اور ذکر و اذکار میں محو ہوتے تو عجیب لطف ہوتا۔ اس قسم کے پُر از مشقت حج میں پہلی دفعہ جو کیفیت محسوس ہوئی وہ پھر نہ ہوئی میں نے عرفات کے میدان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے دو پلیٹوں میں دو تلی ہوئی مچھلیاں میرے سامنے رکھیں اور

فرمایا کہ ھذا حج مبرور وھذہ عمرۃ متقبلۃ۔ (یہ ایک مقبول حج اور دوسرا مقبول عمرہ ہے)۔

فرمایا: بعد از عصر مجلس میں قاری نے تلاوت فرمائی تو فرمایا: کہ قرآن مجید کی یہ حلاوت کسی اور چیز میں بھی ہے۔ یہ قرآن کریم کی نعمت ہے۔ الحمد للّٰہ الذی اعزّنا بالاسلام و شرّفنا بہ۔ میں جب پہلی بار مدینہ حاضری میں حرم شریف میں حاضر ہوتا تو ایک عجیب خوشبو مزار مبارک کے اندر سے آتی تھی اور مجھے محسوس ہوتی تھی، جب رخصت ہو کر واپس جانے لگا تو رابغ تک محسوس ہوتی رہی، وہ ایک خاص قسم کی خوشبو تھی۔ جبالِ مبارک اور کلامِ پاک کی خوشبو اور حضورِ اقدس کے مزار کی خوشبو تو میری زبان سے بے اختیار نکلتا کہ یہ کفار یہاں آکر کیوں یہ خوشبو نہیں پاتے کہ مسلمان ہو جائیں کوشش چاہیے کہ اسلام کی نعمت حاصل ہو۔ صحابہؓ کے اخلاق اور حضور کی صفات نصیب ہوں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے مزار سے بعد از وفات خوشبو آنے لگی تھی اور اخبارات میں بھی نکلا، اس کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: بیشک یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کی مثال بارش جیسی ہے۔ لا یدری فی اولہم خیر ام فی آخرہ۔ اوّل میں بھی خیر ہے آخر میں بھی خیر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں علماء صلحاء اور مشائخ کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بایزید بسطامیؒ ایک دن نصاریٰ کے گرجے میں لباس نصاریٰ پہن کر تشریف لے گئے ان کی عبادت کا ایک خاص دن ہوتا ہے۔ جب پادری خطبہ دینے کھڑا ہوا تو اسکی زبان بند ہو گئی تو کہا کہ کسی اجنبی شخص کی وجہ سے میرے قلب پر اثر ہوا کہ زبان چلتی نہیں، لوگوں نے تلاش شروع کی مگر بایزید کو پہچان نہ سکے۔ جب پادری دوبارہ منبر پر کھڑا ہوا تو دوبارہ اسکی زبان بند ہو گئی تو تلاش شروع کر دائی اور کہا کہ ظاہری لباس کو مت دیکھو بلکہ اجنبی چہرہ اور صورت کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ صورت نئی تھی اور حضرت بایزید کو پہچان گئے، پادری کو بتلایا تو وہ آیا، ہاتھ چومے اور فوراً کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اور کلمہ کیا پڑھا کہ مجلس میں جتنے لوگ تھے سب نے کلمہ پڑھا۔ مولانا رومؒ نے اس مقام پر لکھا ہے کہ شانِ الوحیت دیکھئے کہ ایک شخص کو لباس نصرانیت پہنا کر سینکڑوں ہزاروں سے لباس نصرانیت اتروا دیتا ہے۔ تو اللہ والوں کی بعض ظاہری چیزیں اس قسم کی ہوتی ہیں اور اس سے بھی اتنا خیر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں پر تنقید سے بچائے۔

خواجہ عزیزان رامتنی سے کسی نے پوچھا تصوف کیا ہے؟ فرمایا اتصال و انفصال

جوڑنا اور توڑنا، یعنی اللہ سے جوڑنا اور مخلوق سے توڑنا ـــــ سوال کرنے والا کپڑا بنتا تھا، جوڑنا توڑنا اس کا کام تھا، تو اس کے پیشے کے مطابق اسے جواب دیا۔ ایک دفعہ آپ خوارزم تشریف لے گئے تو شہر میں داخلہ کے وقت فرمایا کہ بغیر اذن ملکی اور خاص فرمان کے داخل نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ خواجہ عزیزان شہر میں اذن ملکی اور آپ کی سند سے داخل ہونا چاہتے ہیں، بادشاہ نے ہنسی مذاق کیا اور کہا کہ بڑا لتاج آئے گا اور اسے شاہی مہر دی جائے گی، اور ہنسی مذاق میں اجازت دی اور مہر لگا دی۔ شہر میں داخل ہوئے تو وہاں کے مزدوروں کے پاس پہنچ کر کہا کہ آج عزیزان کے ساتھ کام کرو مزدوری بہت ملے گی، کام آسان ہے ساتھ لے گئے عصر تک انہیں بٹھایا، نماز سکھاتی مراقبہ کروایا اور اچھی خاصی مزدوری بھی دی۔ ہمارے مشائخ نے ایسی قربانیاں ہدایت کے لئے دیں دوسرے دن مزدوروں کا اور بھی جگھٹا ہو گیا، یہاں تک کہ بازار میں مزدور نہ ملتا تھا، شکایت بادشاہ تک پہنچی کہ ایسا شخص آیا ہے، اور اس نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ سارے مزدور اس کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو سارا انتظام گڑبڑ ہو جائے گا، کام کے لئے کوئی مزدور نہ ملے گا۔ بادشاہ نے خواجہ عزیزان کو بلایا اور کہا میں تو بادشاہ کی اجازت اور مہر سے یہاں داخل ہوا ہوں۔ بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ ارے یہ تو بڑا عقلمند ہے، ہم نے تو دیوانہ سمجھ کر مذاق کیا تھا۔ الغرض بادشاہ اور مصاحب بھی بیعت ہوئے، ہمارے شاہ خالد رومی نے مکہ میں ایک خلیفہ کو اپنی طرف سے رقم بھیجی کہ میں تم کو دیتا رہوں گا، مگر کسی حاجی سے کچھ نہ لینا کہ ہمارے مشائخ پر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے اور ان پر حرف نہ آئے، یہ تھے ہمارے اسلاف اور اکابر ـــ

اولئك آبائی فجئنی بمثلھم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

جہاں بھی ہمارے بزرگوں نے قدم رکھا وہاں ایک عالم روشن کر دیا ہمارا مقصد بھی خدا کرے کہ صرف رضائے حق، قرب حق و رضائے حق ہو جائے، باقی سب (چھلکے) ہیں۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا: کہ مسجد نبوی کی فضیلت کہ ایک نماز کے عوض ایک ہزار کا ثواب ہے مردوں کے لئے ہے عورتوں کیلئے نہیں ان کیلئے گھر ہی میں نماز پڑھنا افضل ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے اور عطر لگا کر جاتی ہیں، تو اور بھی برا ہے، ہاں چونکہ باہر سے دور دراز سے عورتیں سفر کر کے آتی ہیں تو انہیں بھی چاہیے کہ سادہ اور باپردہ لباس میں جائیں اگر پورے پردے میں جاتی ہیں، شریعت کی حدود کے اندر رہتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سعت کا اجر اور بدلہ انہیں دیدے۔

(جاری ہے)

سیّدنا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

علوم — معارف — ملفوظات

بروایت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۔ فرمایا : ہمارے مرشد حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی جو آج تک ریفارمر کی زبان پر نہیں آئی۔ فرمایا : لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں، اور اتفاق کی جڑ ان میں نہیں۔ محض باتوں سے اتفاق کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق کی جڑ ہے تواضع۔ جو لوگ متواضع ہوں گے ان میں نزاع ہو ہی نہیں سکتا اور نا اتفاقی ہمیشہ کبر سے ہوتی ہے۔ اور بغیر تواضع اتفاق ہو ہی نہیں سکتا۔ جب ہر شخص میں تواضع ہو گی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا، اور ان میں اپنے کو قاصر پائے گا، تو سب کے سب ایک دوسرے کے سامنے بچھیں گے۔ (فوائد الصحبۃ صـ ۲۹ ، محاسن الاسلام صـ ۳۹)

۱۹۔ فرمایا : کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا یہ مصرع "جوانی گئی زندگانی گئی" (پورا شعر یہ ہے ۔ دریغا کہ عمر جوانی گئی — جوانی گئی زندگانی گئی۔) سن کر جوانی میں ہم کو خیال ہوتا تھا کہ جوانی کے جانے سے زندگی کیونکر جاتی رہتی ہے۔ آخر بڑھاپے میں بھی تو زندگی رہتی ہے۔ مگر بڑھاپا آنے کے بعد مشاہدہ ہو گیا کہ حاجی صاحبؒ نے سچ فرمایا تھا۔ واقعی — ع
جوانی گئی زندگانی گئی — اب کسی کام کو دل نہیں چاہتا۔ بس یوں جی چاہتا ہے کہ ہر وقت پلنگ پر لیٹے رہیں۔ (علم التصوف عن رغم الانوف صـ ۹۴)

۲۰۔ فرمایا : مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

قافیہ اندیشم و دلدار من — گویدم مندیش جز دیدار من

یعنی جب میں قافیہ سوچتا ہوں تو محبوب یوں فرماتے ہیں کہ ہمارے دیدار کے سوا کسی چیز کو مت سوچو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مثنوی میں جس قدر قافیے ہیں وہ سب بے تکلف خود ہی آ گئے ہیں، سوچ کر نہیں لائے گئے مگر اس پر بھی مثنوی کی بلاغت کا یہ حال ہے کہ مومن خاں دہلویؒ کا مقولہ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں کہ میں نے مومن خاں سے پوچھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا کا کلام حجت نہیں۔ مومن خاں نے کہا کہ کسی جاہل کا قول ہوگا۔ مولانا کا استادانہ کلام ہے۔ (مظاہر الاقوال صـ۲)

۲۱- فرمایا: جب ہمارے حاجی صاحبؒ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا، کیونکہ پہلے یہ سہ دری بنی ہوئی نہ تھی۔ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہ کے حکم سے بنی ہے۔ تو حاجی صاحبؒ کے بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہؒ رہتے تھے، صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے، دوکاندار نہ تھے۔ جب انہوں نے حاجی صاحبؒ کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آگیا ہے اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں، وہ جنگل میں جا پڑے اور اپنی زندگی کے دن پورے کئے، واللہ میں اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس اب ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بو علی قلندرؒ پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدینؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت شیخ شمس الدینؒ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔ لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی۔ فرمایا: کہ میں نے شیخ شمس الدینؒ سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے، اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ آپ فضول تشریف لائے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے۔ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا، یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد شاہ بو علی قلندرؒ خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ گویا حضرت شیخ شمس الدین کو اجازت دے دی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو۔ اب ہماری ضرورت نہیں۔ (ارضاء الحق حصہ دوم صـ۵۲)

۲۲- فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میاں اشرف علی ٹھنڈا پانی پیا کرو۔

جب ٹھنڈا پانی پیوگے ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے گا۔ اور اگر گرم پانی پیوگے تو زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر اندر سے دل ساتھ نہ دے گا۔ پھر فرمایا جسطرح ٹھنڈا پانی نعمت ہے اسی طرح پیاس بھی نعمت ہے۔ کیونکہ اس سے اس نعمت کی قدر ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ رمضان میں افطار کے وقت سرد پانی سے کتنی مسرت ہوتی ہے۔ بلکہ اہتمام سے برف وغیرہ سے سرد کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ یہ ہیں علوم اس ارشاد سے پیاس کا نعمت ہونا معلوم ہوا حالانکہ وہ بھی آثار بشریت اور شہوات دنیا میں ہے۔ (الیسر مع العسر ص۱۴)

۲۳۔ فرمایا: کہ جیسے تمام قرآن شرح ہے صرف تین مضمونوں کی۔ توحید، رسالت اور معاد۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ نے ساری مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں۔ ایک توحید حالی، دوسرے حقوق شیخ (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۳۰)
حقوق شیخ کے بارے میں حضرت مولانا عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے خوب فرمایا ہے۔

تین حق مرشد کے ہیں رکھ انکو یاد　　اعتقاد و اعتماد و انقیاد

۲۴۔ فرمایا: کہ ہمارے حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسی پرندہ اور سایہ۔ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ۔ تم پرندے کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا جائے گا۔ اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آئے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے پاس بہت سامال آجاتا ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دیتے ہیں، اور ایسی راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ نہ ہو مگر اطمینان اور شرح قلب سب سے زیادہ ہوتا ہے۔
(کمالات اشرفیہ ص۴۲) مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مطلوب نہیں لیکن آخرت کے ساتھ دنیا خود آجاتی ہے جیسے حج کو جاتے وقت کراچی (یا بمبئی) کی سیر مقصود نہیں ہوتی لیکن راستہ میں کراچی خود آجاتی ہے۔ (القول العزیز)

۲۵۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ دو شخص کو ہجرت سے منع فرماتے تھے، ایک تو دنیا داروں کو کیونکہ یہ لوگ مکہ کے حقوق کیا ادا کریں گے، دوسرے علماء و مقتداؤں کو، کیونکہ ان کی ہجرت سے ہندوستان یم پلیس ہو جائے گا چنانچہ ارشاد ہے کہ دل بمکہ و جسم بہ ہندوستان بہ از آنکہ جسم بہ مکہ و دل بہ ہندوستان۔ یعنی دل مکہ کیطرف لگا ہو اور جسم ہندوستان میں ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم مکہ میں ہو اور دل ہندوستان میں اٹکا ہو۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کی عادت

تھی کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ اب حج ہوچکا، اب گھر کا رستہ لو، یَا اَھْلَ الْیَمَنِ یَمَنَکُمْ وَیَا اَھْلَ الشَّامِ شَامَکُمْ وَیَا اَھْلَ الْعِرَاقِ عِرَاقَکُمْ۔ حضرت عمرؓ بڑے حکیم تھے، وہ جانتے تھے کہ حج کے بعد قدرتی طور پر وطن کا اشتیاق ہوگا، تو اب ایسی حالت میں مکہ کے اندر قیام کرنا باطن کے لئے مضر ہے۔ اس دربار میں اپنے گھر کو یاد کرتے ہوئے نہ رہنا چاہئے، یہ بڑی گستاخی ہے۔ (کمالات اشرفیہ صد ۴۵، تفاضل الاعمال صد ۱۲، محاسن الاسلام صد ۹)

۲۶۔ فرمایا: ایک دفعہ کسی نے شریف مکہ اور حکام کی شکایت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں کی جو صورۃً غیبت تھی کہ یوں ظلم کرتے ہیں۔ یوں پریشان کر رکھا ہے۔ حضرت نے سنتے ہی معاً فرمایا کہ ہاں بھئی آجکل اسماء جلالیہ کا ظہور ہورہا ہے۔ (جلالیہ اور جمالیہ کے وہ معنی نہیں جو عاملین کہتے ہیں جن میں ان کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک مخترع اصطلاح ہے۔ بلکہ مراد اسماء جلالیہ سے اسماء قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسماء لطیفہ ہیں، تو یہ سختی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے، اور اس میں خدا تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں۔) وہاں تو دل میں ایک ہی لبا ہوا تھا۔ اس کے بعد مسئلہ توحید اور وحدت الوجود اور مسائل سلوک کی تحقیقات شروع ہوں گی، جس سے وہ غیبت علم وحکمت بن گئی، آجکل گوڑ کا کاغذ بنتا ہے ہم نے حاجی صاحبؒ کے یہاں گوڑ کی کتاب بنتے ہوئے دیکھا ہے کہ کیسی ہی لغو اور فضول بات کسی نے کہی ہو مگر حضرت نے اس پر ایک علم عظیم متفرع فرمایا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ حضرت وقت کے امام تھے اور اکثر محققان سلف سے بڑھے ہوئے تھے۔ (جمال الجلیل صد ۲۷، النور صد ۲)

۲۷۔ فرمایا:

ہر چہ گیرد علتی علت شود   ہر چہ گیرد کاملے ملت شود

علتی جو کچھ اختیار کرتا ہے علت ہوتی ہے، کامل اگر کفر بھی اختیار کرے گا ملت ہوگا۔ اسکی توجیہہ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ پہلے مصرعہ کا مصداق منافق ہے کہ کلمہ توحید پڑھنا اس کے لئے درک اسفل من النار یعنی دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں پہنچنے کا سبب ہوگیا اور دوسرے مصرع کے مصداق عمار بن یاسرؓ ہیں جنہوں نے کفار کے مجبور کرنے سے کلمہ کفر جاری کر لیا اور کلمہ کفر کا تلفظ کرنے کے بعد روتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو فوراً وحی الٰہی میں قانون اکراہ نازل ہوگیا۔ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ

اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد میں اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو لیکن ہاں جو کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا، اور انکو سخت عذاب ہوگا۔ گو آیت اکراہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمار بن یاسرؓ کا فعل قانونِ شریعت بن گیا۔ (جمال الجلیل صـ۳۶، استمرار التوبہ صـ۱۴)

۲۸۔ فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں ظاہری مجاہدہ نہ تھا مگر برکت اتنی زبردست تھی کہ مجاہدہ میں وہ کام نہیں بن سکتا جو حضرت کے یہاں بلا مجاہدہ ہی بن جاتا تھا۔ یہ محض حضرت کی برکت تھی۔ (کمالات اشرفیہ صـ۲۹۱)

۲۹۔ فرمایا: حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور ہمارے حاجی صاحبؒ میں یہ معاہدہ قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں دوسرے کو خبر کر دیں۔ وہ بھی انہیں بزرگ سے بیعت ہو جائیں گے۔ پھر حضرت حاجی صاحبؒ لوہاری جا کر میاں جی صاحبؒ (قطب عالم حضرت میانجیو نور محمد صاحبؒ جھنجھانوی لوہاروی) بیعت ہو گئے اور حافظ صاحبؒ سے تذکرہ کرنا بھول گئے۔ جب حافظ صاحبؒ نے دیکھا کہ یہ بار بار لوہاری جاتے ہیں تو دریافت کیا کہ آپ بار بار لوہاری کیوں جاتے ہیں۔ فرمایا میں ایک بزرگ سے بیعت ہو گیا ہوں، فرمایا: ہم سے تو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک جگہ بیعت ہوں گے، ہم سے تذکرہ کیوں نہ کیا۔؟ فرمایا میں بھول گیا تھا اب چلے چلو۔ چنانچہ حافظ صاحبؒ بھی ہمراہ ہو لئے، جب آپ لوہاری پہنچے تو میاں جی صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ حافظ صاحب کیسے آئے، عرض کیا: حضرت بیعت کے ارادہ سے آیا ہوں۔ فرمایا: بھائی میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میاں جی ہوں، بچوں کو پڑھاتا ہوں، کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہئے۔ حافظ صاحبؒ نے کہا میں نے تو اپنا ارادہ عرض کر دیا، آگے آپ کو اختیار ہے۔ اس کے بعد حافظ صاحبؒ ہمیشہ لوہاری آتے جاتے رہے اور بیعت کے لئے پھر عرض نہیں کیا۔ آخر میاں جی صاحبؒ نے ایک بار خود ہی فرمایا کہ حافظ صاحبؒ کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دل سے بیعت ہو چکا ہوں۔ کیونکہ بیعت اعتقاد ہی ہے، باقی بزرگوں سے اصرار کرنا بے ادبی ہے۔ اس لئے صورت بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا۔ فرمایا، اچھا وضو کر کے آجاؤ اور بیعت ہو جاؤ، دیکھئے حافظ صاحبؒ نے صورت بیعت پر اصرار نہیں کیا، بس اپنے اعتقاد اور انقیاد کو کافی سمجھا، پھر خود ہی شیخ نے بیعت کے لئے فرمایا تو صورت بیعت بھی نصیب

ہوگئی۔ مگر حافظ صاحبؒ کو جیسے شیخ نے دیر سے بیعت کیا تھا۔ ایسے وہ بھی بہت دیر میں بیعت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے مریدوں سے اسکی کسر نکالی۔ چنانچہ عمر بھر میں آٹھ سے زیادہ آپ کے مرید نہیں۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ آپ نے حاملانِ عرش کی تعداد پوری کردی کیونکہ وہ بھی آٹھ ہیں، اور حضرت حاجی صاحبؒ بہت جلد بیعت کر لیتے تھے کیونکہ میاں جی صاحبؒ نے آپ کو فوراً بیعت کر لیا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ پہلے شاہ نصیر الدین صاحبؒ سے بیعت ہوئے تھے، پھر تکمیل سے پہلے ان کا وصال ہوگیا تھا۔ اور شاہ سلیمان صاحبؒ سے کبھی کبھی بیعت کا ارادہ ہوتا تھا کیونکہ وہ اس وقت مشہور تھے۔ اسی عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (یا اپنے مشائخ میں سے کسی کو الشک منی) خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بزرگ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاجی صاحبؒ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے شیخ ہیں، حاجی صاحبؒ خواب سے بیدار ہوئے تو بڑے پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ کیونکہ خواب میں کچھ بتلایا نہیں تھا۔ آخر ایک دن کسی شخص سے میاں جی صاحبؒ کا تذکرہ سنا تو قلب کے اندر میاں جی صاحبؒ کیطرف سے ایک خاص کشش پائی، معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے قریب ہی لوہاری میں رہتے ہیں، تو حضرت نے زیارت کا ارادہ کیا۔ اب حالت یہ تھی کہ جوں جوں لوہاری کی طرف بڑھتے جاتے ہیں اسی قدر دل میں کشش بڑھتی جاتی ہے جیسے کوئی کھینچ رہا ہو۔ جب لوہاری پہنچے اور میاں جی صاحبؒ کی صورت دیکھی تو بعینہ وہی صورت تھی جو خواب میں دکھائی گئی تھی۔ اب تو حاجی صاحبؒ کی اور ہی حالت ہوئی۔ قریب جاکر سلام عرض کیا تو میاں جی صاحبؒ نے دریافت فرمایا، صاحبزادے کیسے آنا ہوا، بس حاجی صاحب پر گریہ طاری ہوگیا، اور جوش میں عرض کیا؛ کیا حضرت کو معلوم نہیں ہے۔؟ (نہ معلوم اس وقت حضرت حاجی صاحبؒ پر کیا حالت تھی۔) اس کے جواب میں میاں جی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ صاحبزادے خواب وخیال کا کیا اعتبار۔ اور اس میں خواب کی طرف اشارہ تھا۔ اب تو حاجی صاحبؒ کو اور بھی یقین ہوگیا اور زیادہ گریہ طاری ہوگیا۔ اب میاں جی صاحب نے تسلی فرمائی، کہ میاں گھبراؤ نہیں، جو تم چاہتے ہو ہو جائے گا۔ چنانچہ فوراً بیعت فرمالیا۔ حضرت حاجی صاحبؒ پر یہی اثر غالب تھا کہ طالب کو پریشان نہیں کرتے تھے، مگر دونوں صاحبوں کی نیت بخیر تھی۔ حاجی صاحبؒ کی نیت وسعت رحمت پر تھی، اس لئے فیض کو عام کر رکھا، اور حافظ صاحبؒ کی نظر اس پر تھی کہ سلسلہ کی بے قدری نہیں کہ [illegible] بلکہ اچھی طرح طلب کا امتحان کرنے کے بعد بیعت کرنا چاہئے

(علاج اطرص صہ ۴۲)

۳۰- فرمایا: ہمارے حضرت حاجی صاحب ؒ کی خدمت میں ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب ؒ اور بہت سے مشاغلین ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حاضر تھے۔ سب لوگ حضرت سے اپنے حالات کہتے اور حضرت اس پر کچھ ارشاد تلقین فرماتے تھے، مگر مولانا کوئی حال بیان نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت نے خود پوچھا کہ آپ کچھ حال نہیں کہتے تو مولانا رونے لگے اور کہا۔ ع

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

اور عرض کیا حال تو کیا کہوں وہ تو درکنار مجھ سے ذکر تک بھی نہیں ہوتا۔ جب بیٹھتا ہوں زبان جیسے جکڑ جاتی ہے اور قلب پر ایسا بوجھ ہوتا ہے کہ بارہ تسبیح بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ حضرت نے بالبدیہہ فرمایا مبارک ہو یہ حالت ثقل وحی کا نمونہ ہے، انشاء اللہ علوم نبوت سے آپ کو حصہ ملے گا، یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا نے علوم وحقائق میں ایک سطر بھی نہیں لکھی تھی، اس وقت کونسا ظاہرا قرینہ ایسا موجود تھا جس سے اندازہ کیا جا سکے کہ اسکی تعبیر یہ ہے اور ایسا ہونے والا ہے۔ یہ شیخ کامل کا کام تھا۔ (اول الاعمال صـ۴۴)

۳۱- فرمایا: (قولہ تعالیٰ شانہ) اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ اس کے متعلق حضرت حاجی صاحب ؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس آیت میں سیئات سے مراد وہ طاعات وعبادات ہیں جو پورے حکم کے موافق نہ ہوں۔ اور یہ ضرور مشکل کام ہے کہ طاعات وعبادات پورے حکم کے موافق ہوا کریں، کیونکہ اول ہم تو اس کا ارادہ واہتمام ہی نہیں کرتے اور یہ کھلا ہوا جرم ہر وقت ہم پر موجود ہے، دوسرے اہتمام کر بھی لیں تو بے پرواہی ہو جائے گی۔ اپنے روزہ اور نماز کو دیکھ لیجئے کہ ان کی کیا حالت ہے، اخلاص پایا نہیں جاتا، دوسرے آداب مہمل رہتے ہیں۔ غرض یہ اعمال ہماری نظر میں حسنات ہیں اور درحقیقت حسنات نہیں، ایک قسم کے مکروہات ہیں اور آیت مذکورہ بالا میں حسب ارشاد حاجی صاحب ؒ سیئات سے یہی مراد ہیں جنکی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ انکو حسنات میں لکھ لیں گے۔

(شوق اللقاء صـ۲۴) (جاری ہے)

★

دیرینہ پیچیدہ، روحانی، جسمانی امراض کے خاص معالج
جمال شفاخانہ رجسٹرڈ نوشہرہ ضلع پشاور

مجاہد جلیل

مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

شہداء بالاکوٹ کا اصلی مقابلہ انگریز سے تھا!

گذشتہ سے پیوستہ

اس کے بعد دوسرے مسئلہ کو لیں یعنی شہداء بالاکوٹ کے مد مقابل کون تھے، سکھ یا انگریز؟
جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ کی جو لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں ان میں مد مقابل سکھ ہی تھے اور سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے ہی آپ شہید ہوئے لیکن کیا آپ کا منتہائے مقصود سکھوں سے ہی نبرد آزما ہونا تھا یا کچھ اور ---؟
سطحی قسم کے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ منتہائے مقصود یہی کچھ تھا اور بس۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، لیکن یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ باید و شاید اور تاریخ سے صریح ناواقفی کی کھلی دلیل! ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرات مجاہدین کا مقصد اصلی ہندوستان کو پھر سے دارالاسلام بنانا تھا جو آپ کے شیخ سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتویٰ کے پیش نظر دارالحرب بن چکا تھا، ہند کو دارالاسلام بنانے کیلئے سکھوں سے زیادہ انگریز سے دو دو ہاتھ ہونے کی ضرورت تھی۔ لیکن دست قضاء و قدر نے یہ موقعہ ہی مہیا نہ کیا اور آپ اپنے پروگرام کی تکمیل سے پہلے ہی بالاکوٹ کی سرزمین کو لالہ زار بنا کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے اگر موقعہ ملتا اور بد اندیش و ضمیر فروش سردارانِ قوم کی بدعہدی و غداری سے دوچار نہ ہونا پڑتا تو آج ہند کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس کے باوجود مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں بالاکوٹ کی بلندیوں سے شہداء کی پکار ہے اگر ہم آج

بھی کان دھریں اور اس آواز کو کام میں لاکر ان کی طرح سراپا عمل بن جائیں تو نقشۂ عالم وہی ہو سکتا ہے۔
شہداء کی آواز کیا ہے۔؟ یہی تو کہ ---- زندگی کے پست اور تنگ نظریئے کو خیر باد کہو ، قوت اقتدار اور ترقی میں ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی بلند ہو جاؤ ، کیا کبھی کسی نے اس آواز پر کان دھرا اور اس وجد آفریں نغمہ کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دی۔؟ نہیں ہرگز نہیں۔

شاعرانِ فرنگ کی تعلیم نے ہمارے دل و دماغ کو ایسا بدلا کہ ہم این و آن کے چکر میں پڑ کر رہ گئے۔ اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا ، خود مفلوج ہو کر بیٹھ گئے اور نکتہ چینی ہمارا شیوہ بن گیا۔ بالاکوٹ کے مدفنوں سے نکتہ چین حضرات کو آج بھی پکار کر کہا جا رہا ہے ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن | بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو دے سکا
کس منہ سے اپنے آپکو کہتا ہے عشق باز | اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اے کاش ! ہم اس آواز کو سنتے اور سعی و عمل میں لگ جاتے تو ہمارے بلند ہمت اسلاف جو راستہ متعین کر گئے تھے ، اس پر چل کر کبھی کی منزل پا لیتے۔ لیکن طاؤس و رباب کی رسیا قوم نے ڈرائنگ روموں میں بیٹھ کر نکتہ چینی کا فن تو سیکھ لیا ، ہر عمل سے عاری ہو گئی ، فیا للعجب۔

بہرحال آیئے تاریخ کے جھروکوں سے مستند شہادتیں سنیں اور پھر فیصلہ کریں کہ مجاہدینِ اسلام کا مد مقابل کون تھا ، سکھ یا انگریز ---- ؟ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے ، اس سے انکار ناممکن ہے کہ تحریک کی ابتدائی کڑی حضرت حکیم الامت مولانا الشاہ محدث الدہلوی ولی اللہؒ تھے۔ حضرت شاہ صاحب ہی وہ پہلے صاحبِ بصیرت انسان ہیں جنہوں نے وطنِ عزیز کے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور اصلاحِ احوال کیلئے صحیح صورت کی نشاندہی کی وہ صحیح صورت کیا تھی ---- ؟ یہی کہ فک کل نظام ! یعنی سیاسی و سماجی زندگی کے ہر ایک شعبہ میں انقلاب !

آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء شب جمعہ آپ نے غیر کی یہ آواز سنی کہ ملک و ملت کی فلاح اسی میں مضمر ہے کہ دورِ حاضر کے تمام نظاموں کی دھجیاں بکھیر دی جائیں اور ایک ہمہ گیر انقلاب بپا کیا جائے۔ چنانچہ سفر مقدس سے واپسی پر آپ نے نصب العین بھی یہی سامنے رکھا کہ فک کل نظام ! (فیوض الحرمین اور شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک صـ۲۹)

اپنے نصب العین کو تکمیل تک پہنچانے کیلئے آپ نے پہلا قدم تعلیم و تربیت کا اٹھایا ، اس کے لئے دہلی ، رائے بریلی تکیہ شاہ علم اللہ (جو سید احمدؒ کے بزرگ تھے۔) مدرسہ نجیب آباد اور مدرسہ ملا معین ٹھٹھہ (سندھ) اور لکھنؤ مراکز مقرر کئے مختلف مقامات پر مختلف حضرات

ان تربیت گاہوں میں متعین ہوئے جن کا کام نظریات حکیم الامت کا پرچار اور اس کے مناسب تعلیم و تربیت تھی، افسوس یہ ہے کہ نشر و اشاعت کی مشکلات اور پریس کی طاقت سے عدمی کے سبب حضرت کے نظریات کا جسطرح پرچار ہونا چاہیئے تھا نہ ہو سکا، ورنہ مارکس اور لینن کی طرح عالم اسباب میں آپ کو بھی وسائل میسّر آجاتے تو آج نقشۂ عالم کچھ اور ہوتا۔ پھر طوائف الملوکی اور قیامت خیز ہنگاموں (جن میں مرہٹوں کی دلی پر یلغار، نادر شاہ کا قتل عام، دلی کی بے پناہ لوٹ اور ابدالی جنگ پانی پت شامل ہیں۔) کے سبب آپ کو فرصت نہ ملی کہ آپ اپنے انقلابی منشور (مینی فسٹو) کو یکجا مدون اور مرتب کر سکیں اس کے باوجود آپ نے اپنے انقلابی نظریات کو کبھی ترجمہ قرآن کریم کے رنگ میں کبھی تصوف اور فلسفہ اسلامی کے ضمن میں (حجۃ اللہ البالغہ بدور بازغہ فیوض الحرمین) کبھی نصیحت و عظمت کے پیرایہ میں (تفہیمات الٰہیہ) اور کبھی تاریخ اسلام اور خصائل صحابہؓ کے جامہ میں (ازالۃ الخفاء) پیش کیا، افراتفری کا دور اور پھر ستم بالائے ستم کہ شاہ صاحب نے ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں کتاب زندگی کا آخری ورق پلٹ کر مالک حقیقی کے وصال کا مژدہ جانفزا پا لیا۔ آپ کے فرزند رشید شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بعمر ۱۷ سال والد کے مسند کو سنبھالا اور جس نصب العین کی خاطر عظیم باپ نے ایک پروگرام کی طرح ڈالی تھی اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اپنے آپ کو ہر طرح سے جانشینی کے اہل ثابت کر دیا ——— ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اس لائق جانشین نے اپنے عظیم باپ کے نظریات انقلاب کو عام کرنے کیلئے تربیت گاہ کو وسعت دی۔ اس تربیت گاہ کے مقاصد میں حکیم الامت کے نظریات کو ذہن نشین کرانا خدا پرستی، خوفِ خدا اور پاکبازی کا سچا جذبہ پیدا کرنا، ملوکیت و شاہ پرستی کے جراثیم دماغوں سے نکالنا، جذبۂ فدائیت، خدمت خلق، سادگی، فوجی اسپرٹ پیدا کرنا، عیاشی کے تمام اڈے ختم کرنا شامل تھا (شاندار ماضی ص۱۰۲) اور تربیت کے لئے تین طریقے مقرر ہوئے ——— پہلا درس و تدریس کا، جسکی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ پورے ہند میں ایک عالم ایسا نہ رہا جو کسی نہ کسی واسطہ سے شاہ عبدالعزیزؒ سے منسلک نہ ہو۔ (سیاسی تحریک ص۱۱) دوسرا طریقہ روحانی تربیت کا تھا، اور اس میں بھی اس خاندان اور معتقدین کے ایک ایک فرد کو کمال حاصل تھا۔ (تفصیل شاندار ماضی جلد دوم میں دیکھیں) تیسرا طریق پبلک جلسوں کا تھا۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیزؒ ہفتہ میں دو بار عام جلسوں میں وعظ فرماتے۔

اس تربیت گاہ سے جن گرامی قدر حضرات نے فیض پایا ان میں شاہ عبدالقادرؒ، شاہ

رفیع الدینؒ، شاہ عبدالغنیؒ (برادرانِ شاہ صاحبؒ) شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ محمد یعقوبؒ (شاہ صاحبؒ کے نواسے) مولانا عبدالحیؒ (داماد) مولانا شاہ اسماعیلؒ (بھتیجے) سید احمد بریلویؒ مولانا رشید الدینؒ، مفتی صدر الدینؒ، شاہ غلام علی صاحبؒ مولانا کریم اللہؒ، مولانا مخصوص اللہؒ، میر محبوب علیؒ، مولانا عبدالخالق دہلویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا حسن علی لکھنویؒ، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ جیسے یگانۂ روزگار افراد شامل ہیں، ان کوششوں کا نتیجہ وہی ہوا جو عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ یعنی شاہ عبدالعزیزؒ اور آپ کے ساتھیوں کو ستایا گیا۔ ہر طرح غنڈہ گردی ہوئی، جائیداد ضبط ہوئی، شہر بدر ہونا پڑا اور قتل تک کی سازشیں ہوئیں۔ (یاد رہے کہ اس مکروہ پروگرام میں شدید کارپردازانِ حکومت جو حامی انگریز تھے اور جن کا سرغنہ نجیب خان تھا پیش پیش تھے۔)

حالات دگرگوں ہوتے انگریز دشمن اور حریت پسند فرزانے بدعہدیوں کا شکار ہو کر قتل ہو گئے اور عجیب افراتفری پھیلی۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے ایک سوال کے جواب میں درج ذیل فتویٰ لکھا۔ (اصل جواب فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔) از فتاویٰ عزیزی ص ۱۷ فارسی مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

"یہاں رؤسا نصاریٰ (عیسائی افسران) کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے اور ان کا حکم جاری اور نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، انتظامات، رعیت، خراج، باج، عشر و مال گذاری، اموالِ تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات، مقدمات کے تصفیے، جرائم کی سزاؤں وغیرہ (یعنی سول، فوج، پولیس، دیوانی اور فوجداری معاملات، کسٹم، ڈیوٹی وغیرہ) میں یہ لوگ بطور خود حاکم اور مختار مطلق ہیں، ہندوستانیوں کا ان کے بارے میں کوئی دخل نہیں، بیشک نماز جمعہ، عیدین، اذان اور ذبیحہ گاؤ جیسے اسلام کے چند احکام ہیں وہ ان میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن جو چیز ان سب کی جڑ اور حریت کی بنیاد ہے۔ (یعنی ضمیر کی آزادی اور آزادی فکر) وہ قطعاً بے حقیقت اور پامال ہے۔ چنانچہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کر دیتے ہیں، عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے انتہا یہ کہ کوئی مسلمان یا ہندو ان کے پاسپورٹ اور پرمٹ کے بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آ سکتا عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آنے جانے کی اجازت دینا بھی ملکی مفاد یا عوام کی شہری آزادی کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی خاطر ہے اس کے بالمقابل خاص خاص ممتاز اور نمایاں حضرات مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر اس ملک میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلکتہ تک انہی کی عملداری ہے، بیشک کچھ دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ، رامپور میں

چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ براہ راست نصاریٰ کے احکام جاری نہیں ہوتے (مگر اس سے پورے ملک کے دارالحرب ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔)

پھر فتاویٰ کے صفحہ ۱۲۵ میں بعض اعتراضات مخالفین کا جواب دے کر ہند کا دارالحرب ہونا ثابت کیا ہے۔

یہی وہ معرکۃ الآراء فتویٰ ہے جس سے ملک میں تہلکہ مچ گیا اور جو دراصل شاہ ولی اللہؒ کے فک کل نظام کے نصب العین کی تکمیل کی پہلی کڑی تھی، اسی نصب العین کی تکمیل کیلئے مختلف گروپ بنائے گئے تھے جن میں سے ایک گروپ سید صاحب کی زیر قیادت بنایا جس میں مولانا عبدالحی اور شاہ محمد اسماعیل جیسے حضرات تھے، اور ان کی ذمہ داریاں پہلے عرض کی جا چکی ہیں، دوسرا گروپ خود آپ کی زیر قیادت تھا جسکا کام مرکز میں رہ کر اسکی مضبوطی کا انتظام کرنا (استحکام) تعلیم و تربیت کا طریق جاری رکھنا اور جنگی گروپ کیطرح مدد کرنا اور کمک پہنچانا تھا، اس گروپ میں مولانا شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوبؒ، مفتی رشید الدینؒ، مفتی صدرالدین دہلویؒ، مولانا حسن علی لکھنویؒ، مولانا حسین احمد ملیح آبادیؒ اور مولانا شاہ عبدالغنی دہلویؒ جیسی شخصیتیں شامل تھیں، چنانچہ جنگی بورڈ نے سات سال میں ملک کے تین دورے کرڈالے۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھیؒ: امام عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت کیلئے دوسری دفعہ بیعت جہاد کیلئے دورے پر بھیجا، اس کے بعد سارے قافلہ سمیت، حج پر جانے کا حکم دیا تاکہ انکی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ ۱۲۳۹ھ میں واپس آیا تو امام عبدالعزیزؒ فوت ہو چکے تھے۔ (سیاسی تحریک ص۱۱۱) سید صاحب کا پہلا دورہ ہی اپنے اندر عجیب رنگ رکھتا ہے، سماجی اصلاحات، ہندو مسلم بھائی چارے، ورزش، جفاکشی، ضبط و تحمل اور جہاد حریت کی ترغیب اس سفر کے اہم ترین مشاغل تھے، اس کے بعد جب سفر حج ہوا وہ بھی حقیقۃً پروگرام جہاد کی ایک کڑی تھا۔ جو بقول مولانا سندھیؒ تنظیمی قوت کا امتحان لینے کیلئے ہوا تھا۔ ورنہ حقیقت میں تنگ نظر بھی دیکھ سکتی ہیں کہ مفلوک الحال لوگوں پر حج کیسے فرض ہو گیا تھا۔؟ ان دوروں میں زیادہ تر نذرانے ملتے ہیں تو سامان حرب کے۔ اور ترغیب ہے تو جہاد حریت کی، سوال یہ ہے کہ یہ پروگرام سکھوں کیلئے تھا۔؟ نہیں ہرگز نہیں، ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ اور وہ مقصد مشہور انگریز مورخ ہنٹر خود متعین کرتا ہے۔

جب سید احمد صاحبؒ حج سے واپس آئے (ذہن میں رکھیں کہ بقول مولانا سندھی سفر حج تنظیمی قوت کا امتحان تھا۔) تو آپ کے ارادے کیا تھے۔۔۔ ہنٹر جواب دیتا ہے: پہلے جو چیز

خواب وخیال میں تھی، اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۸۹) اور ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جو آبادی پر لگی رہتی تھی (ص۹۰) اور بقول منشی محمد جعفر تھانیسریؒ مراقبہ اور مشاہدہ کی جگہ ہجرت و جہاد کا بیان اور تلوار بندوق کی صفائی کی تعلیم ہوتی تھی اور تحفے اکثر ہتھیار آتے۔ (سوانح احمدی ص۸۹)

پھر سید صاحب کے اپنے جملے ملاحظہ فرمائیں، بیگانگان بعید الوطن اور تاجران متاع فروش کو نکال کر مناصب ریاست وسیاست ان اہل وطن کے سپرد کئے جائیں جو اس کے مستحق ہیں۔

(خط سید صاحب بنام راجہ دراؤ وزیر اور غلام حیدر خان منصب دار ریاست گوالیار)

ڈاکٹر ہنٹر کی مندرجہ بالا شہادت، منشی محمد جعفر کا قول اور سید صاحب کا مکتوب گرامی (نیز مولانا شہید کی منصب امامت والی عبارت جو پہلے گذری) ملاحظہ کرنے کے بعد اگر کوئی اس حقیقت کو نہ سمجھے کہ اصل مقابل کون تھے تو اسکا علاج نہیں۔ پھر انگریز کے مدمقابل ہونے پر ایک اور شہادت ملاحظہ فرمائیں:۔

سکھوں کی حکومت پنجاب میں تھی، بنگال میں قریب ۸۰ سال سے انگریز حکمران تھا، جونہی ۱۸۳۰ء میں سید صاحب نے پشاور پر قبضہ کر لیا تو آپ کے خادم خاص ٹھٹو میاں نے سفید فام درندوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۹۰) ایسا کیوں ہوا — ؟ اس کے ساتھ ہی ایک انگریز کیپٹن کی تاریخ دیکھیں۔ "سید احمد کے عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ تھے۔ لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں محتاط ضرور تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز ملک کی قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کیلئے کافی سبب تھا" (تاریخ سکھ از کیپٹن کنگھم بحوالہ سیرت سید احمد ص۲۲۵) ایک مزید شہادت ملاحظہ فرمائیں، سید صاحبؒ کے زمانہ جہاد میں ایک انگریز سیاح میسن نامی اس علاقہ میں آیا اس نے سید صاحب کا نصب العین یہ بتلایا "سکھوں کا استیصال اور پنجاب پر قبضہ پھر ہندوستان اور چین پر تسلط" (سیرت سید احمد شہید ص۲۵۹)

انگریز مورخین کی یہ عبارتیں ہمارے مدعا کے لئے کافی ہیں کہ اصل مدمقابل کون تھا — ؟ اس کے علاوہ واقعاتی دنیا میں کھلی ہوئی شہادت جسکی تردید ناممکن ہے یہ کہ ۱۸۳۱ء میں واقعہ بالاکوٹ پیش آیا اس کے بعد باقی ماندہ مجاہدین ستیانہ میں مقیم ہو گئے، تا آنکہ ۱۸۴۹ء میں سکھ حکومت ختم

ہوگئی اور ۱۸۴۹ء میں تین سال بعد پنجاب کا الحاق مکمل ہوگیا۔ اب سید صاحبؒ کے معتقدین کو چاہیئے تھا کہ وہ سجدہ شکر بجالاتے کہ سکھوں کا پرچم سرنگوں ہوا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سرحد پار محاذ بنا کر انگریزوں کے ناک میں دم کئے رکھا، اور یہ سلسلہ انگریزی اقتدار کی بساط لپیٹ جانے تک جاری رہا۔ سوال یہ ہے کہ مقابل سکھ تھے تو ایسا کیوں ہوا ــــ ؟ اور آخر میں امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک معنی خیز جملہ پڑھیں پھر سارے نقاب الٹ جائیں گے۔ آپ فرماتے ہیں۔ "ایسٹ انڈیا کمپنی گذشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی، مگر اس نے ایک تجارتی لباس میں مستور رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا، واقعہ بالاکوٹ کے دو سال بعد ۱۸۳۳ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اتار کر وہی حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَار۔ (سیاسی تحریک ص۱۷۳)

چنانچہ اس کے بعد ہی بہادر شاہ کا موقوف ہو کر ایسٹ انڈیا کمپنی کا سکہ رائج ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اتنی ٹھوس شہادتوں کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مد مقابل سکھ تھے ــ ؟ یہ کہنا ستم ظریفی کی انتہا ہوگی اور تعصب کی کھلی مثال۔ اگر شاہ ولی اللہ کے نصب العین (فک کل نظام) پھر شاہ عبد العزیز کے فتویٰ (ہند دار الحرب) اور سید صاحب کا اس مشن کیطرف سے ایک کمانڈر کی حیثیت میں مہم پر جانا، ان کڑیوں کو ملایا جائے اور اس کے بعد انگریزوں کی اپنی شہادتیں دیکھی جائیں تو حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصود انگریز کا استیصال تھا، اور ملک کو پھر سے دار الاسلام بنانا! لیکن یہ الگ بات ہے کہ تقدیر نے اس کا موقعہ مہیا نہ کیا اور اس کے بھی کچھ اسباب تھے جن میں سب سے بڑا سبب نام نہاد مسلم فرمانرواؤں اور سرداروں کی بدعہدی و غداری بھی جسکی سزا ان لوگوں کو منعم حقیقی کے دربار سے یقیناً مل کر رہے گی۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔

ـــ باقی آئندہ ـــ

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹرنڈ رسل نے تسخیر چاند کی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

"یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہے۔ ـــــ ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچ جائیں۔"

لارڈ رسل نے ایک اور معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکہ اور روس) کو دیا ہے کہ:

"تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو، کیوں خلائی سفر جیسے بہت مہنگے طریقے پر ایک دوسرے کو تباہ کرنا چاہتے ہو۔ !"

ادبیات

قصیدہ ترحیب

بخدمت مولانا حافظ عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ

از مولانا غلام نبی فاروقی ٹل

یہ قصیدہ ۱۲ ربیع الاول کو ٹل میں حضرت مولانا درخواستی کی خدمت میں پیش کیا گیا

★

سلام علی مولی جسیم الفضائل — کریم المعنی حاوی فنون الفواضل

سلام ہو اس بزرگ پر جو بڑی فضیلتوں والا اور لوگوں میں بزرگ کمالات کے فنون کا جامع ہے۔

محافظ اقوال الرسول امامنا — واسوۃ اسلاف وفخر الاماثل

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا حافظ ہمارا مقتدی اور سلف کا نمونہ اور فخر بزرگوں کا۔

حماہ الہ العالمین عن الاذی — وعن کل ضیر فی الخلیقۃ نازل

اللہ ان کو محفوظ رکھے تکلیف سے اور ہر ضرر سے جو لوگوں پر نازل ہوتا ہے۔

اقول لہ اھلا وسھلا ومرحبا — بدار علوم التل فخر الافاضل

میں آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتا ہوں، دار العلوم ٹل میں اے باکمال بزرگ اور لوگوں کے فخر۔

فیا سیدی ھذی اوان مفاسد — وایام الحاد اتت بالنوازل

اے ہمارے آقا یہ فساد کے اوقات ہیں اور الحاد کے دن ہیں جو وقائع کیساتھ آئے ہیں۔

وشغلھم تحریف تنزیل ربنا — بما تشتھی اھواءھم من غوائل

پس بعض لوگوں کا مشغلہ تحریف قرآن ہے، ایسے طریقوں سے جو ان کی خواہشات ہلاکت آفرین چاہتی ہیں۔

وانکارھم ختم النبوۃ جبراءۃ — وزندقۃ من رای شخص مماحل

بعض لوگوں کا انکار ختم نبوت بڑی دلیری ہے اور زندیقیت ہے ایک فریبی شخص کی رائے سے ہے۔

وانکار آثار الرسول بلیۃ — احاطت بقلب کل لاہ مغافل

بعض لوگوں کا انکار حدیث رسول بلیہ ہے جو ہر مشغول اور بے خبر کے دل پر احاطہ کیا ہوا ہے۔

وتوھین اصحاب النبی کبیرۃ — وزندقۃ تبدی نفاقا بقائل

اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بے ادبی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ زندقہ یا نفاق قائل ظاہر کرتا ہے۔

وتحقیر اصحاب المذاھب فتنۃ — وجراءۃ تخریب وتزویر باطل

اور اصحاب مذاہب کا تحقیر کرنا بڑا فتنہ ہے اور تخریب دین کی جرأت اور باطل کی تزویر ہے۔

فتلک بلایا قد اضاعت مقاصدا — عقاید اسلاف ودین الاوائل

یہی آفتیں ہیں جنہوں نے مقاصد دین کو ضائع کیا سلف کے عقاید اور اول لوگوں کے دین کو بھی۔

وانتم نجوم الرشد فی کل ظلمۃ — بکم یقتدی کل الضحی والاصائل

اے حضرت آپ مع علماش ستاروں کے ہیں ہر ظلمت میں صبح و شام آپ کی اقتدا کی جاتی ہے۔

غلام النبی حاضر فی جنابکم — ویرجوا دعاء احلا غیر آجل

غلام نبی آپ کی خدمت میں حاضر ہے فوری دعا کا متمنی ہے بلا تاخیر۔

دعوات حق

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے بلند پایہ اور حکمت آفرین مواعظ اور خطبات کا مجموعہ ۔ آفسٹ طباعت

حصہ اول — دو سو سے زائد صفحات۔ قیمت صرف تین روپیہ۔

ملنے کا پتہ:- مولانا احمد عبدالرحمن صدیقی مکتبہ حکمت اسلامیہ نوشہرہ صدر

تردید الحاد

خواجہ محمد علیم - احسن منزل ڈھاکہ ۲ مشرقی پاکستان

قرآن کی جو ہے تفسیر اعمال نبوت ہے
احکام شریعت تو افعال رسالتؐ ہے

قرآن کو وضاحت سے حضرتؐ نے بتایا ہے
کیوں اس سے بھٹکتے ہو جو صاف حقیقت ہے

اسلام کا ہر فرمان قائم ہے قیامت تک
تم چاہو بدل ڈالیں یہ اور قیامت ہے

مسلم ہو تو سوچو تم مرنے سے نہیں چارہ
جو ڈھیل ملی تم کو اللہ کی عادت ہے

جبریل سے بھی منکر جنات سے بھی منکر
کس درجہ حماقت ہے کس درجہ جہالت ہے

کچھ بول نہیں سکتے قرآن کی زبان میں تم
قرآن کے سمجھنے کا غرہ تو ضلالت ہے

یہ مال یہ شہرت تو کچھ کام نہیں دے گی
جو کام تمہیں دے گا وہ سرکارؐ کی طاعت ہے

سمجھا دو علیم ان کو شاید وہ سمجھ جائیں
مسلم کا فریضہ تو تبلیغ شریعت ہے

موتیا روک

موتیا روک موتیا بند کا بلا اپریشن علاج ہے
موتیا روک دھند، جالا، پھولا، ککروں کیلئے بھی مفید ہے۔
موتیا روک بینائی کو تیز کرتا ہے اور چشمہ کی ضرورت نہیں رکھتا۔
موتیا روک آنکھ کے ہر مرض کے لئے مفید تر ہے۔
بیت الحکمت ۔ لوہاری منڈی لاہور